بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حزبی تکتل

تیرھویں صدی ہجری بمطابق انیسویں صدی میلادی سے امتِ مسلمہ کی نشاۃِ ثانیہ کے لئے بہت سی تحریکیں وجود میں آئیں' یہ سب ناکام کوششیں تھیں' لیکن ان تحریکات نے اپنے بعد آنے والوں کو دوبارہ کوشش کرنے کے حوالے سے بہت متأثر کیا۔ ان کوششوں کو باریک بینی سے دیکھنے والا اور تحریکات کا مطالعہ کرنے والا سمجھ سکتا ہے کہ ان تمام تحریکوں کی ناکامی کا بنیادی سبب ان کی جماعت سازی کے پہلو سے چار (خامیاں) ہیں:

پہلی وجہ۔ ان کی بنیاد ایک ایسی غیر متعین عام فکر پر رکھی گئی تھی جو یا تو بالکل مبہم تھی یا اس میں مبہم ہونے کے قریب تھی' یہ فکر شفاف تھی نہ صحاف ستھری اور نہ ہی پاکیزہ۔

دوسری وجہ۔ ان تحریکوں کو اپنی فکر نافذ کرنے کا طریقہ بھی معلوم نہیں تھا' بلکہ وہ فکر ہی بیساختہ اور پیچیدہ وسائل کے تحت چلتی تھی' اس سے بڑھ کر اس فکر پر اخفا اور ابہام کا غلبہ تھا۔

تیسری وجہ۔ یہ تحریکیں ایسے اشخاص پر بھروسہ کرتی تھیں جن کے اندر صحیح اور کامل بیداری تھی نہ ہی یہ صحیح اور پختہ ارادوں کے مالک تھے' بلکہ یہ ایسے اشخاص تھے جن کے اندر فقط جوش و جذبہ اور دلیری تھی۔

چوتھی وجہ۔ ان تحریکات کے ذمہ دارانہ مناصب پر فائز اشخاص کے درمیان جماعت سازی کے لئے کچھ ظاہری اعمال اور چند گنے چنے ناموں کے الفاظ کے علاوہ صحیح رابطہ

نہیں تھا' بلکہ اس میں صرف عام ڈھانچے (تکتّل) کی صورت میں افراد کو جمع کیا گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان تحریکوں کی ناکامی ایک طبعی بات تھی' جب تک ان کے پاس جدو جہد اور جوش کا سرمایہ باقی رہا یہ تحریکیں چلتی رہیں اور جب یہ چنگاری بجھ گئی یہ تحریکیں آہستہ آہستہ ٹھنڈی پڑ گئیں پھر ختم ہو گئیں' ان کی جگہ دوسرے افراد نے نئی تحریکیں شروع کی' انہوں نے بھی یہی کردار ادا کیا اور ایک مدت تک چلتی رہیں بالآخر ان کی جدوجہد اور جذبہ بھی ختم ہو گیا یوں یکے بعد دیگرے یہ آتی رہیں۔

ان تمام تحریکوں کا سرد پڑ جانا ایک طبعی امر تھا کیونکہ یہ سب کسی صحیح' واضح اور متعین فکر پر قائم نہیں ہوئیں تھیں' انہیں سیدھا راستہ معلوم تھا نہ ہی ان کے افراد بیدار مغز تھے اور نہ ہی ان کے درمیان صحیح رابطہ تھا۔

جہاں تک فکر اور طریقے کے موضوع کا تعلق ہے تو ظاہری بات ہے کہ اگر ہم فرض کر لیں کہ ان کا کوئی فلسفہ تھا بھی تو غلط فلسفہ تھا جس پر یہ تحریکیں قائم ہوئیں۔ یہ تحریکیں یا تو اسلامی تحریکیں تھیں یا قومی تحریکیں۔ اسلامی تحریکوں سے وابستہ افراد اسلام کی طرف ایک عامیانہ اور کھلے اندازِ دعوت دیتے تھے اور اسلام کی ایسی تفسیر کرنے کی کوشش میں مگن تھے کہ اسلام موجودہ حالات سے ہم آہنگ ہو سکے یا کچھ دوسرے نظامہائے حیات سے بھی اخذ کیا جائے تاکہ اسلام ان نظامہائے حیات کے مطابق ہو سکے' یا یہ تاویل کہ ان نظاموں کو باقی رکھنے یا ان کو اخذ کرنے کا جواز مہیا کرے۔ اس طرح قومی تحریکوں سے وابستہ افراد میں سے عرب لوگ انتہائی مبہم طریقے سے اسلام اور مسلمانوں کو نظر انداز کرتے ہوئے عرب قوم کی نشاۃِ ثانیہ کی دعوت دیتے تھے' یہ لوگ قومیت کے چند الفاظ پر بھروسہ کرتے تھے جیسے عزت' شرافت' عرب' عربیت' آزادی لیکن ان الفاظ کا ایسا صحیح اور واضح مفہوم بھی ان کے ذہنوں میں نہیں تھا جو نشاۃِ ثانیہ کی حقیقت کے موافق ہو۔ بالکل اسی طرح ترک قوم قومیت کی بنیاد پر ترک قوم کی نشاۃِ ثانیہ کی دعوت دے رہی تھی' عرب قومیت اور ترک قومیت کے داعی کی راہنمائی

استعماری کفّار کر رہے تھے' یہی استعماری کفّار عثمانی ریاست جو کہ ایک اسلامی ریاست تھی' سے آزادی حاصل کرنے کے لئے بلقان میں بھی ان قومی تحریکات کی سرپرستی کررہے تھے۔

عالم عرب میں ان دونوقسم کی تحریکوں (اسلامی اور قومی) کے افراد کے درمیان اخبارات اور رسالوں میں اس موضوع پر مباحثے ہوتے رہے کہ عرب لیگ اور اسلامی لیگ میں سے کونسی بہتر اور پائیدار ہے؟ اس میں ایک طویل مدت تک ایسی جدوجہد کی گئی جس کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا' کیونکہ فی الحقیقت عرب لیگ اور اسلامی لیگ کا کوئی وجود ہی نہیں تھا' یہ اسلامی ریاست سے غافل کرنے کے لئے ایک استعماری منصوبہ تھا۔ اس لئے اس کے نتیجے میں صرف یہ نہیں ہوا کہ یہ کوشش ضائع ہوگئی بلکہ بات اس سے بھی آگے بڑی اور اسلامی ریاست ذہنوں اور نظروں سے اوجھل ہوگئی۔

کافر سامراج کے اسلامی ریاست کے حصوں پر قابض ہونے اور سرمایہ دارانہ نظام کو لوگوں پر نافذ کرنے کی وجہ سے سیاسی اور اقتصادی ظلم کے نتیجے مختلف اسلامی ممالک میں اسلامی اور قومی تحریکوں کے ساتھ ساتھ وطنی تحریکات بھی وجود میں آئیں ۔ باوجود یکہ یہ تحریکیں ان مصائب کی صدائے بازگشت تھیں تب بھی بعض پر اسلامی پہلو کا غلبہ رہا' جب بعض تحریکیں جن کے اندر وطنیت کا پہلو غالب تھا یہ ان مصنوعی تحریکوں میں سے تھیں جن کو خود سامراج نے وجود میں لایا تھا۔ وطنیت کی ان تحریکوں نے امت کو جذباتی بنادیا اور ان کی وجہ سے امت ایک سطحی قسم کی جدوجہد میں منہمک ہوگئی جس سے کفّار کا وجود یعنی ان کی فکر ختم ہونے کی بجائے اس کی جڑیں مزید مستحکم ہوگئی۔اس کے علاوہ فکر کی کمی کی وجہ سے ان تحریکوں کو کوئی چلا نہ سکھا۔

ہمارا اعتقاد ہے کہ نشاۃِ ثانیہ کا حقیقی فلسفہ وہ مبداء ہے جس کے اندر بیک وقت فکر اور طریقہ ہو' یہ مبداء صرف اور صرف اسلام ہے' کیونکہ اسلام ایک ایسا عقیدہ ہے جس سے ریاست اور امت کے تمام معاملات اور زندگی کی تمام مشکلات کو حل

کرنے کے لئے ایک نظام ہے۔ اگرچہ یہ نظام ایک عالمی نظام ہے لیکن اس کا طریقہ یہ نہیں کہ ابتدا ہی سے عالمی سطح پر اس کے لئے کام کیا جائے' عالمی سطح پر اس کی طرف دعوت دینا تو ضروری ہے لیکن اس کے لئے کام کرنے کا مرکز کسی ایک ملک یا کئی ممالک کو بنایا جائے تاکہ وہ علاقے اس کا مرکز بنیں' یوں ایک اسلامی ریاست وجود میں آئے اور طبعی طور پر نشو نما پاتے ہوئے پہلے تمام اسلامی ممالک کو اپنے لپیٹ میں لے پھر یہ اسلامی ریاست اس کی دعوت کو پوری دنیا کے سامنے پیش کرے' کیونکہ یہ پوری دنیا کے لئے پیغام ہے' اور یہ پوری انسانیت کے لئے دائمی پیغام ہے۔ یقیناً پوری دنیا اسلامی دعوت کے لئے موزون ہے' چونکہ اسلامی ممالک کے باشندوں کا دین ہی اسلام ہے چنانچہ دعوت کی ابتداء ان ممالک سے کرنا ضروری ہے' اس طرح عرب ممالک چونکہ اسلامی ممالک کا ایک حصہ ہیں جو کہ عربی زبان بولتے ہیں اور عربی زبان اسلام کا ایک جوہر جڑ اور اسلامی ثقافت کا بنیادی عنصر ہے' چنانچہ دعوت کے عالم کو بلند کرنے کے لئے عرب ممالک موزون تر ہیں۔ عربی طاقت اور اسلامی طاقت کا امتزاج بھی انتہائی ضروری ہے تاکہ عربی کے اندر اثر کرنے' وسعت پانے اور پھیلنے کی جو قدرت ہے یہ اسلام کے ساتھ یکجا ہوجائے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی ریاست کا عرب ممالک میں وجود میں آنا ایک طبعی امر ہے تاکہ یہ ریاست اس اسلامی ریاست کے لئے سنگِ بنیاد بن سکے جو تمام عالمی اسلام کو اپنی آغوش میں لئے ہوئے ہوگی۔ اس کے باوجود یہ بات اٹل ہے کہ عرب ممالک میں اسلام کی طرف دعوت دی جائے' یہ بات بھی اٹل اور لازمی ہے کہ دعوت کو تمام اسلامی ممالک تک پھیلایا جائے۔ عرب ممالک میں دعوت کی ابتداء کرنے کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ دوسرے اسلامی ممالک کے اسلامی ریاست میں متحد ہونے سے قبل ان میں دعوت کا کام نہ کیا جائے۔ بلکہ عرب ممالک میں اسلامی ریاست کو قائم کرنے کے لئے کام کیا جائے گا' پھر یہ ریاست اپنے قریبی ممالک کو اپنے اندر سموتے ہوئے وسیع تر ہوتی جائے گی' قطع نظر اس کے کہ یہ آس

پاس کے ممالک عرب ہیں یا غیر عرب۔

ہم نے کہا ہے کہ نشاۃ ثانیہ کا حقیقی فلسفہ وہ مبداء ہے جو بیک وقت فکر اور طریقہ کا مجموعہ ہو۔ ہر اس گروہ کے لئے جس کا نصب العین نشاۃ ثانیہ کے لئے کوئی قابلِ قدر کام کرنا ہے ان دونوں یعنی فکر اور طریقہ کو سمجھنا انتہائی ضروری ہے۔

یہ مبداء انتہائی واضح ہو چکا ہے اور جماعت سازی کے لئے اس کو سمجھنا بہت ہی آسان ہے۔ مبداء کو اس مکمل انداز میں بیان کرنے کے بعد یہ بات طبعی ہے کہ مذکورہ گروہ اس فہم کے ذریعے ایک مؤثر، تعمیری اور آگے بڑھنے والا گروہ ہوگا۔ یہ گروہ اس قابل ہوگا کہ معاشرہ اس سے ہم آغوش ہو، اس کی نگہداشت کرے اور اس کی ذمہ داریوں کو اپنے کندھوں پر بھی اٹھائے، کیونکہ یہ گروہ اپنی فکر میں پختہ، اپنے طریقے پر نظر رکھے ہوئے اور اپنے مسئلے سے باخبر ہے۔

مگر اس گروہ کے لئے صرف مذکورہ صحیح فہم نشاۃِ ثانیہ کا سبب نہیں بن سکتا بلکہ اس جماعت کے اندر باصلاحیت افراد ہونے چاہیے اور ان افراد کو ایک ہی لڑی میں پرونے کے لئے اس گروہ کے درمیان جو رابطہ ہو وہ ایک صحیح اور نتیجہ خیز رابطہ ہو۔ پھر اس رابط کے طریقے کے لحاظ سے اس گروہ میں افراد کی صلاحیتوں کا اندازہ ہو۔ پس مبداء کی بنیاد پر بننے والی اس حزب کے افراد کے درمیان ربط کا طریقہ عقیدے کو اپنانا اور حزبی ثقافت میں ڈھلنا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ حزب میں افراد کی صلاحیتوں کا اندازہ طبعی طور پر دعوت کے دوران ان کے حزب میں گھل مل جانے سے ہوگا۔ جس چیز سے ان کی صلاحیتوں کا اندازہ ہوتا ہے وہ ربط کا طریقہ ہے نہ کہ حزب کا ڈھانچہ، کیونکہ جو چیز ایک گروہ کی صورت میں ان افراد کو باہم مربوط کرتی ہے وہ عقیدہ اور اس عقیدے سے نکلنے والی حزب کی ثقافت ہے۔

جب گزشتہ صدی میں برپا ہونے والی تحریکوں کی جماعت سازی پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ان کی جماعت سازی کا غلط طریقہ ان کی ناکامی کا بنیادی

سبب تھا' کیونکہ وہ مذکورہ حقیقی فہم کے ساتھ حزبی اساس پر قائم نہیں ہوئیں تھیں' بلکہ وہ ایک جمعیتی اساس یا برائے نام حزبی اساس پر قائم ہوئیں تھیں۔

اس کا سبب یہ تھا کہ مسلمان جنگِ عظیم اول سے قبل یہ محسوس کرتے تھے کہ ان کی ایک اسلامی ریاست ہے۔ اس ریاست کی کمزوری کے باوجود' اس کے زوال اور اس کے بارے میں نقطہ نظر کے مختلف فکر کے باوجود رخ کا ایک مرکز تھا۔ چنانچہ عرب اس کو اپنے حقوق پامال کرنے والی اور اپنے اوپر مسلط سمجھنے کے باجود ان کی اس کی اصلاح کے لئے بصیرت اور بصارت کے لحاظ سے متوجہ تھے' بہرحال یہ ان کی اپنی ریاست تھی۔ ان لوگوں کے اندر جس چیز کا فقدان تھا وہ نشاۃ ثانیہ اور اس کے طریقے سے ناواقفیت تھی' اور نہ ان کے اندر کوئی گروہ بندی تھی۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ اکثر و بیشتر مسلمانوں کا یہ حال تھا۔

یہ بات بھی ہے کہ اس دور میں اسلامی ممالک پر اجنبی تہذیب کی یورش شروع ہو چکی تھی۔ اسی اجنبی تہذیب کے ذریعے سے ہی استعمار نے مسلمانوں میں سے کچھ افراد کو اپنے ہم خیال بنانے میں کامیاب ہوا' جن کو انہوں نے اسلامی ریاست کے اندر جماعتی گروہ بندیاں کرنے پر اکسایا' جن کی بنیاد اسلامی ریاست سے الگ ہو کر آزاد حکومتیں قائم کرنے پر رکھی گئی تھی۔ خاص طور پر سامراج کچھ عرب افراد کو اپنا ہم خیال بنانے میں کامیاب ہوا' ان کو پیرس میں جمع کیا' تاکہ عرب کی آزادی کے نام سے خلافتِ عثمانیہ کے خلاف برسرِ پیکار ہو۔ ان افراد کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے والی چیز یہی اجنبی ثقافت' اجنبی افکار اور وہ وطنی اور قوم پرستی پر مبنی جذبات تھے جو کہ کافر سامراج کے پیدا کردہ تھے۔ ان افراد کے درمیان ایک ہی عقلی اور شعوری رابطہ تھا اور ایک ہی بات پر یہ جمع تھے۔ وہ بات یہ تھی کہ جب تک خلافت عثمانیہ ان کے مفادات سے غفلت برتی رہے گی' ان پر ظلم ڈھائے گی اور ان کے حقوق غصب کرے گی تو اس سے عرب قوم کو آزاد کرایا جائے۔ یہی وہ واحد نصب العین تھا جس کے حصول کے لئے

انہوں نے نام نہاد گروہ بنائے جو آگے چل کر عرب بغاوت ''الثورة العربية'' کی شکل اختیار کر گئی' اس کے نتیجے میں اسلامی ممالک خصوصاً عرب ممالک میں کفر اور استعمار کا اثر ونفوذ مضبوط و مستحکم ہوگیا۔ یہاں پہنچ کر ان کی ذمہ داری پوری ہوگئی۔ یوں اسلامی ریاست کو مال غنیمت کے طور پر استعماری ایجنٹوں نے تقسیم کر دیا۔

اسلامی ریاست کا نام ونشان مٹانے کے بعد استعمار نے اس کی جگہ لے لی۔ عرب ممالک پر تو استعمار نے براہِ راست حکومت کی پھر دوسرے اسلامی ممالک میں اپنا اثر ونفوذ پھیلانے لگا۔ استعمار اپنے خفیہ وسائل اور خطرناک اسالیب کو بروئے کار لاتے ہوئے عرب علاقوں پر عملاً قابض ہوگیا اور اس کے ہر حصے پر اپنا قدم جمالیا۔ استعمار کے اہم ترین وسائل واسالیب' اجنبی استعماری تہذیب' مال و دولت اور ایجنٹ تھے۔

کفر اور استعمار کے قدم جمانے میں اس اجنبی ثقافت کا بہت بڑا اثر تھا۔ اس طرح نشاۃِ ثانیہ کی ناکامی' جماعتوں اور تحریکوں کی ناکامی کی وجہ بھی یہ اجنبی تہذیب تھی' کیونکہ تہذیب کا انسانی فکر پر بڑا گہرا اثر ہوتا ہے جس سے زندگی کا رخ متاثر ہوتا ہے۔ استعمار نے اس (مقرر) فلسفہ کی بنیاد پر تعلیم وتربیت کے طریقے گھڑ لیے' یہ فلسفہ زندگی کے بارے میں ان کے نقطہ نظر پر مبنی تھا اور وہ نقطہ نظر یہ تھا کہ مادہ روح سے جدا ہے اور دین ریاست سے الگ ہے۔ استعمار نے اپنی ہی شخصیت کو اس روپ میں پیش کیا کہ گویا اس سے ہماری ثقافت نکلتی ہے۔ اس طرح اس نے اپنی تہذیب' اپنے مفاہیم' اپنے ممالک کے تکوینی عوامل' اپنی تاریخ اور اپنے ماحول کو ایسا بنیادی منبع قرار دیا کہ جس سے ہم اپنی عقلوں کو بھر دیں۔ اس نے تو اس پر بھی اکتفا نہیں کیا' بلکہ اس نے اپنی شکل وصورت کے بارے میں ہمیں ایسے مغالطے میں ڈال دیا جس سے اس کی شخصیت ہمارے لئے ایسی قابل اعتماد بن گئی کہ اسی سے ہمارے لئے مفاہیم اور حقائق نکلتے ہیں۔ اس نے اپنی استعماری صورت کو بالکل اصل کے برعکس کر کے پیش کیا' یعنی اس کو ایسی مثالی شخصیت کے طور پر پیش کیا کہ جس کی پیروی کی جائے اور اس کے ساتھ چلنے

کے بغیر کوئی چارہ نہ ہو۔ یہ تھے استعمار کے چھپے ہوئے خبیث چہرے کے اسالیب۔ پھر اس نے اِس پروگرام کی تفصیلات میں اس قدر دخل اندازی کی کہ کوئی جڑ بھی اس عام مبداء سے الگ نہیں رہی۔ یوں یہ فاسد ثقافت ہمارے رگ و پے میں سرائیت کرگئی' ہم نے یہ سیکھا کہ اغیار کیسے فکر کرتے ہیں۔ اس ثقافت نے طبعی طور پر ہمارے اندر عاجزی پیدا کردی اور ہم غور وفکر کی صلاحیت سے محروم ہوگئے' کیونکہ ہماری فکر ہمارے ماحول' ہماری شخصیت' ہماری تاریخ اور ہمارے مبداء سے ہم آہنگ اور مربوط نہیں تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ہم اس ثقافت کی بدولت اپنی قوم سے اجنبی حالات اور ضروریات سے بے خبر ہوگئے۔ اس ثقافت کے زیر سایہ پروان چڑھنے والوں کے جذبات ان کی عقل وفکر سے جُدا تھے۔ یوں طبعی طور پر یہ لوگ امت اس کے جذبات اور احساسات سے دور ہوگئے' اس کے نتیجے میں یہ فکر ہمارے ممالک کی موجودہ صورتِ حال کو سمجھنے کے قابل نہیں رہی اور نہ ہی یہ فکر امت کی ضروریات کا صحیح طور پر ادراک کرنے اور نشاۃِ ثانیہ کے صحیح طریقے کو سمجھنے کے لائق ہے' کیونکہ یہ فکر اگرچہ احساس سے خالی نہیں مگر اس سے جُدا ضرور ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ ایک ایسی اجنبی فکر ہے جس کا حال ایک ایسا شخص ہے جس کے احساسات اسلامی ہیں۔ اس لئے اس فکر کی بنیاد پر صحیح فہم والی ایک جماعت کبھی بھی وجود میں نہی آسکتی۔ اس اجنبی ثقافت کے اثرات صرف تعلیم یافتہ طبقے تک محدود نہیں رہے' بلکہ پورہ معاشرہ اس اجنبی ثقافت کا علمبردار بن گیا' جس کے نتیجے میں اس معاشرے کی فکر اور شعو الگ تھلک ہیں۔ اس کی وجہ سے معاشرے میں مشکلات اور پیچیدہ ہوگئیں' یوں نشاۃِ ثانیہ کی ذمہ داری کو اٹھانے کا بوجھ ایک صحیح حزب کے لئے پہلی جنگ عظیم سے قبل کے مقابلے میں زیادہ بھاری ہوگیا' کیونکہ اس سے قبل امت یا حزب کو جس مشکل کا سامنا تھا وہ اسلامی معاشرے سے متعلق تھا۔ اب اس ثقافت کے حامل افراد کے فکر اور شعور کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنا ہے اس طرح معاشرے کے افراد اور جماعت کی فکر وشعور کے درمیان موافقت پیدا کرنا' خصوصاً اس

اجنبی ثقافت کے حامل افراد اور ان کے معاشرے کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنا ہے' کیونکہ یہ لوگ شعور سے بے بہرہ اس اجنبی فکر کو بڑے خلوص سے قبول کئے ہوئے ہیں' اس اخلاص نے ان کو اپنے معاشرے میں وحشت زدہ کر دیا' یہ لوگ اپنے معاشرے کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں' یہ اپنے معاشرے سے دور ہوتے جارہے ہیں اور اس کی کوئی پرواہ نہیں کرتے' بلکہ یہ اجنبی سے محبت' اس کا احترام' اس کا قرب حاصل کرنے اور انتہائی اہتمام اور توجہ سے اس کا سامنا کرتے ہیں' یہ اجنبی استعمار ہی کیوں نہ ہو۔

یہی وجہ ہے کہ اس ثقافت کے حامل شخص کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ اپنی سرزمین کی موجودہ حالات کا تصور اس اجنبی کی تقلید اور اس کی حالات کے تصور کے بغیر کرے' وہ اپنی حالات کا ادراک نہیں کرسکتا' اس لےء اس شخص کو یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ امت نشاۃِ ثانیہ کی راہ پر کیسے گامزن ہوسکتی ہے۔ یہ شخص جب نشاۃِ ثانیہ کی بات کرتا ہے تو اس میں بھی اجنبی کی تقلید کرتا ہے۔ اس ثقافت کے حامل شخص کے احساسات مبداء کی وجہ سے متحرک نہیں ہوتے' بلکہ یہ صرف وطن اور قوم کی بنیاد پر متحرک ہوتے ہیں جو کہ بالکل غلط ہے۔ باوجود اس کے یہ شخص کبھی بھی اپنی سرزمین میں صحیح انقلاب برپا نہیں کرسکتا اور نہ ہی اپنی قوم کے لئے کوئی بڑی قربانی دے سکتا ہے' کیونکہ اس کو اپنے احوال وظروف کا فکری شعور حاصل نہیں اور نہ ہی اپنی قومی کی ضروریات کا فکری احساس ہے۔ اگر بالفرض اس کے اندر انقلاب برپا ہوتا ہے اور وہ نشاۃِ ثانیہ کا طالب بھی ہوتا ہے تب بھی یہ انقلاب اس کے خاص مفادات سے ٹکراؤ کے نتیجے میں برپا ہوتا ہے یا یہ انقلاب دوسرے اقوام کے انقلابات کی تقلید میں برپا ہوتا ہے۔ اس لئے یہ انقلاب اس وقت تک برقرار رہتا ہے جب تک وہ ٹکراؤ باقی رہے اور جب اس کو کوئی نوکری وغیرہ دے کر اس ٹکراؤ کو ختم کر دیا جائے یا اس کی خواہشات کو پورا کیا جائے تو یہ انقلاب بھی اختتام پذیر ہوجاتا ہے۔ اس طرح یہ انقلابی کیفیت اس وقت بھی زائل ہوجاتی ہے جب اس کی انانیت اور منافع کو نقصان پہنچے یا اس کو کسی مصیبت سے دوچار

ہونا پڑے۔

ایسے افراد کی فکر اور شعور کے درمیان نئی مبدائی ثقافت یعنی اسلامی ثقافت کے ذریعے علاج سے ہم آہنگی پیدا کئے بغیر ان کے ذریعے ایک صحیح گروہ تشکیل دینا ممکن نہیں۔ اس ثقافت سے اس کا علاج کرنے کا تقاضا ہے کہ اس کو ایسا شاگرد فرض کرلیا جائے کہ جس کے اندر نئے سرے سے ایک نئی عقلیت کی تشکیل کی ضرورت ہے' تاکہ اس مشکل کو حل کرنے کے بعد اس کے اور معاشرے کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے کی طرف اس کو منتقل کیا جائے' تب جا کر معاشرے میں نشاۃِ ثانیہ کی مشکل ہو حل کرنا آسان ہوجاتا ہے۔ اگر اجنبی ثقافت نہ ہوتی تو نشاۃِ ثانیہ اب جیسا مشکل نہ ہوتا۔ اس وجہ سے معاشرے میں اس اجنبی ثقافت کے ہوتے ہوئے ایک صحیح حزبی گروہ کا وجود میں آنا محال ہے۔ اس طرح اس ثقافت کی بنیاد پر اس قسم کے گروہ کا وجود میں آنا بھی محال ہے۔

استعمار نے اجنبی ثقافت پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اپنے سیاسی اور فلسفی افکار و آرا سے بھی فضا کو زہر آلوگ کیا جس سے اس نے مسلمانوں کے صحیح نقطۂ نظر کو بگاڑ کر رکھ دیا' اسلامی فضا کو تباہ کرکے رکھ دیا اور زندگی کے مختلف پہلوؤں کے حوالے سے مسلمانوں کو ذہنی طور پر پریشان کرکے رکھ دیا۔ یوں اس نے مسلمانوں کو اس مرکز سے محروم کردیا جن کے گرد ان کی طبیعی بیداری گردش کرتی ہے۔ ان کی ہر بیداری کو اس نے ایسی مضطربانہ اور متناقض حرکت میں تبدیل کردیا جو حالِ نزاع کی حرکت کے مشابہ ہے' جو آخر کار ناامیدی اور حالات کے سامنے سرفگوں ہونے کی صورت میں ٹھنڈی پڑجاتی ہے۔ اجنبی نے اپنی شخصیت کو ثقافتی دائرے اور توجہ کا مرکز بنا کر ناجائز فائدہ اٹھایا۔ اُس نے اس چیز کے سیاسی پہلو سے ناجائز فائدہ اٹھایا وہ اس طرح کہ سیاستدانوں اور سیاست پیشہ افراد نے اس اجنبی کو اپنی آنکھوں کا قبلہ بنالیا تاکہ وہ اسی اجنبی سے مدد مانگیں اور اسی پر بھروسہ کرینگے یہی وجہ ہے کہ اکثر گروہ لاشعوری طور پر بھی

اغیار سے مدد مانگنے کی کوشش کرتے رہے۔ اس طرح بعض افراد ان اجنبی ریاستوں سے مدد مانگنے لگے' وہ یہ نہیں سمجھ سکے کہ اجنبی سے ہر قسم کی مدد مانگنا اور اس پر بھروسہ کرنے کو ترویج دینا خواہ وہ اجنبی کسی ملک کا کیوں نہ ہو' یہ ''سیاسی خودکشی'' زہر قاتل اور امت کے ساتھ خیانت ہے' چاہے یہ حسنِ نیت ہی سے کیوں نہ ہو۔ یہ لوگ اس بات کو نہیں سمجھ سکے کہ اپنے مسائل کو دوسروں کے پاس لے کر جانا سیاسی خودکشی ہے۔ چنانچہ کسی ایسے گروہ کی کامیابی کا کوئی امکان نہیں جس کی فکر اجنبی پر بھروسہ اور اسے رواج دینے پر زہر سے آلودہ ہو۔

چونکہ اغیار نے ہمارے معاشرے کو وطنیت' قومیت' اشتراکیت' صوبائیت کے تعصّبات کے زہر سے آلودہ کردیا' چنانچہ ہمارے معاشرے کے عمل کا محور بہت عارضی اور محدود ہوکر رہ گیا۔ اغیار نے اس پر اکتفا نہیں کیا بلکہ یہ زہر بھی معاشرے میں پھیلا دیا کہ اسلامی ریاست کا قیام اور اسلامی ممالک کی وحدت محال ہے کیونکہ ان کے مابین تمدنی' نسلی اور لسانی اختلافات پائے جاتے ہیں حالانکہ یہ سب ایک ہی امت ہیں جن کو وہ اسلامی عقیدہ ایک ہی لڑی میں پروتا ہے جس سے اپنا ایک نظام نکلتا ہے۔ استعمار نے اس کے علاوہ بھی کئی ایسے غلط سیاسی افکار ہمارے معاشرے کے اندر داخل کردیے مثال کے طور پر ان کا یہ کہنا کہ (خُذْ وَطَالِب) ''جو کچھ ملا ہے لے لو اور مزید مانگو'' اس طرح یہ کہنا (اَلْاُمّةُ مَصْدَرُ السُّلْطَاتِ) ''امت طاقت کا سرچشمہ ہے'' اور ان کا یہ قول کہ (اَلسِّیَادةُ لِلشَعْبِ) ''حاکمیتِ اعلیٰ عوام کو حاصل ہے'' وغیرہ وغیرہ۔ اس قسم کے اور غلط افکار بھی پھیلا دیے (اَلدِّیْنُ لِلّٰهِ وَالوَطَنُ لِلْجَمِیْعِ) ''دین اللہ کا ہے اور وطن سب کا'' یا یہ کہنا کہ (تُوَحِدُ نَا الْاَ لاَ مُ وَالآمَالُ) ''مصائب اور امیدیں ہمیں متحد کرتی ہیں'' اور یوں کہنا (اَلْوَطَنُ فَوْقَ الْجَمِیْع) ''وطن ہی سب سے بڑی چیز ہے'' یا یہ کہنا (اَلْعِزَّةُ لِلْوَطَن) ''عزت تو وطن کے لئے ہے'' اور اس قسم کے دوسرے اقوال۔ اس طرح استعمار نے معاشرے کو حالات سے سازباز کرنے والے

اوررجعت پسندانہ آزادی سے بھی مسموم کیا جیسا کہ یہ قول کہ (اِنَّنَا نَا خُذُ نِظَامَنَا مِنْ وَاقِعِنَا) ''ہم اپنے حالات کو دیکھ کر اپنا نظام بنائیں گے'' یا یہ کہنا کہ (اَلرِّضَا بِالْاَمْرِ الوَقِعُ) ''ہمیں موجودہ حالات پر راضی رہنا چاہیے'' یا یوں کہنا کہ (یَجِبُ اَنْ نَکُوْنَ وَاقِعِیْنَ) ''ہمیں حقیقت پسند ہونا چاہیے'' یا اس قسم کی اور باتیں ۔ فضاء کو اس طرح مسموم کرنے کے نتیجے میں اسلامی ممالک بشمول عرب ممالک میں معاشرہ اس حد کو پہنچا ہوا ہے کہ وہاں ایک صحیح قسم کی جماعت سازی ناممکن نظر آتی ہے۔ اس لئے ان برائے نام حزبی گروہوں کا ناکام ہونا کوئی تعجب خیز بات نہیں' کیونکہ یہ ایسی فکرِ عمیق کی بنیاد پر وجود میں نہیں آئی تھیں جو انتہائی منظّم طریقے سے قابلِ اعتماد افراد تیار کر سکے' بلکہ ان گروہوں کی کوئی بنیاد ہی نہیں تھی۔

یہی وجہ ہے کہ یہ ایک طبعی بات تھی کہ عالمِ السلام خصوصاً عالمِ عرب میں قائم ہونے والی جماعتیں توڑ پھوڑ کا شکار ہوں کیونکہ یہ جماعتیں مبداء کی بنیاد پر قائم نہیں ہوئی تھی۔ انکو جانچ پرکھنے والا دیکھتا ہے کہ ان کی بنیاد ایسی ہنگامی حالات پر رکھی گئی جو ایک حزبی گروہ کے قیام کا تقاضا کرتی تھیں۔ پھر یہ حالات بدل گئے تو یہ احزاب بھی یا تو بالکل ختم ہوگئیں یا ایسی کمزور ہوگئیں کہ ان کا ہونا نہ ہونا برابر ہوا۔ یا یہ جماعتیں اشخاص کے مابین دوستی کی بنیاد پر وجود میں آئیں۔انہوں نے افراد کے درمیان دوستی کی بنیاد پر جماعت بناڈالی ان جماعتوں کا کردار ان کے گردگھومتا ہوا ان کے ساتھ ختم ہوگیا۔ یا یہ جماعتیں افراد کی ذاتی اور شخصی مفادات کی بنیاد پر وجود میں آئیں۔ اس وجہ سے ان افراد کے مابین جنہوں نے ان بنیادوں پر ان حالات اور معاشروں میں جماعتوں کی بنیاد رکھی حزبی مبدا کا رابطہ نہیں تھا' اس لئے ان جماعتوں کا وجود نہ صرف نفع سے خالی تھا بلکہ یہ امت کے لئے انتہائی نقصان دہ تھیں۔ اس سے بڑھ کر معاشرے میں ان جماعتوں کا وجود ایک صحیح حزب کے وجود کی راہ میں روکاوٹ تھا' یا اس کے وجود میں آنے کے لئے تاخیر کا سبب بنیں' کیونکہ ان جماعتوں نے جمہور کے

ذہنوں میں مایوسی کا بیج بو دیا اور عام لوگوں کو بدل اور شاکی بنا دیا اور وہ ہر تحریک پر شک کرنے لگے خواہ وہ تحریک صحیح بھی ہو۔ ان جماعتوں نے شخصی منازعات کھڑا کئے' خاندانی حسد پیدا کر دی اور انہوں نے اپنے اسالیب کے ذریعے لوگوں کو تذبذب اور مفاد کے پیچھے بھاگنے کی تعلیم دی۔ بالفاظِ دیگر انہوں نے جمہور کی صاف ستھری طبیعت کو بگاڑ کر رکھ دیا' یوں ان جماعتوں نے اس صحیح حزبی گروہ کی ذمہ داری کو دوچند کر دیا جس کا جمہور کے اندر سے وجود میں آنا انتہائی ضروری ہے۔

ان اسلامی' قومی اور وطنی تحریکات کے ساتھ ساتھ کچھ اشتراکیت کی تحریکات بھی قائم ہوئیں جو مادیت کی اساس پر وجود میں آئیں تھیں۔ یہ تحریکیں روس کی اشتراکی تحریک کے ماتحت تھیں اور وہی ان کی راہنمائی کرتی تھی۔ ان کا طریقہ کار تخریب اور توڑ پھوڑ تھا۔ ان کا مقصد اشتراکیت کو پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ مغربی استعمار کے لئے پریشانی پیدا کرنا تھا تاکہ بالآخر مشرقی بلاک کی راہ ہموار ہو سکے۔ ان تحریکات میں کام کرنے والے صرف اشتراکیت کے ایجنٹ تھے' یہ تحریکیں امت کے ساتھ ہم آہنگ نہیں تھیں اور نہ ہی ان کا کوئی اثر ہوا۔ ان کی ناکامی طبعی بات تھی' کیونکہ یہ فطرتِ انسانی کے خلاف تھیں اور اسلامی عقیدے سے متصادم تھیں۔ ان اشتراکی تحریکات نے وطنیت کو اپنے مقاصد کے لئے استعمال کیا۔ ان تحریکوں کی وجہ سے ان پیچیدگیوں میں اضافہ ہوا جن کے نتیجے معاشرہ پہلے سے سسکیاں لے رہا تھا۔

اس طرح کچھ گروہ تنظیمی بنیاد پر وجود میں آئے' چنانچہ مختلف ممالک میں علاقائی اور صوبائی تنظیمیں وجود میں آئیں جن کے خیراتی مقاصد تھے' انہوں نے مدارس' شفاخانے اور یتیم خانے وغیرہ قائم کیے اور انہوں نے نیکی اور بھلائی کے کاموں میں تعاون کیا' ان تنظیموں پر فرقہ پرستانہ تعصب کا رنگ غالب تھا۔ استعمار نے ان تنظیموں کی بھی حوصلہ افزائی کی اور ان کے خیراتی کام لوگوں کو دیکھایا۔ ان میں سے اکثر و بیشتر تنظیمیں ثقافتی اور خیراتی نوعیت کی تھیں' ان میں سیاسی نوعیت کی تنظیمیں شاذ و

نادر ہی پائی جاتی تھیں۔

ان تنظیموں کے نتائج کو باریک بینی سے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سے امت کو کوئی فائدہ پہنچا نہ ہی نشاۃ ثانیہ کے سلسلے میں یہ معاون ثابت ہوئیں۔ ان کے نقصانات اتنی مخفی تھے کہ باریک بینی سے دیکھے بغیر نظر نہیں آتے۔ بہرحال ان سے حاصل ہونے والے جزوی فائدے سے قطع نظر ان کا وجود ہی امت کے لئے انتہائی نقصاندہ تھا۔ یہ اس طرح کہ پوری امتِ مسلمہ بعض اسلامی افکار کی موجودگی' بعض شرعی احکامات کی تنفیذ اور احساسات کی موجودگی میں اسلام سے متاثر ہونے کی وجہ سے اس کے اندر نشاۃِ ثانیہ کے احساسات پائے جاتے ہیں' اس کے اندر بھلائی کا رجحان اور طبعی طور پر جماعت سازی کے لئے میلان موجود ہے' کیونکہ اسلام کی روح ہی ایک اجتماعی روح ہے۔ پس جب امت کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے تو یہ احساس منطقی طور پر فکر کی طرف منتقل ہوتا ہے' پھر یہ فکر عملی طور پر امت کی نشاۃِ ثانیہ پر منتج ہوتی ہے۔ لیکن ان تنظیموں کا وجود اس راستے میں روکاوٹ ہے' کیونکہ یہ تنظیمیں ان بھڑکتے ہوئے جذبات کو ٹھنڈا کرتی ہیں اور اس احساس کو جزوی نوعیت کے اعمال میں الجھا کر رکھ دیتی ہیں۔ یوں کسی تنظیم کا کوئی رکن مدرسہ تعمیر کرتا ہے' یا ہسپتال بناتا ہے یا کسی اور نیک کام میں حصہ لیتا ہے اور اس کو اطمینان کا احساس ہوجاتا ہے تو وہ اس کام پر قناعت کر کے بیٹھ جاتا ہے۔ اس کے برعکس اگر یہ تنظیمیں وجود میں نہ آتیں تو اجتماعی روح اس شخص کو ایک صحیح قسم کی جماعت سازی تک پہنچاتی جس کے نتیجے میں صحیح نشاۃِ ثانیہ کی راہ ہموار ہوجاتی۔

ان ثقافتی اور خیراتی تنظیموں کے شانہ بشانہ اخلاقی تنظیمیں بھی وجود میں آئیں جو اخلاق کی بنیاد پر اور وعظ و ارشاد کے ذریعے امت کی نشاۃِ ثانیہ کے لئے کام کرنے لگیں' تقریروں اور نشریات کے ذریعے یہ کہا جانے لگا کہ اخلاق ہی امت کی نشاۃِ ثانیہ کی بنیاد ہیں۔ ان تنظیموں پر بے پناہ کوششیں اور موال صرف ہوئے لیکن اس کا کوئی

نتیجہ برآمد نہ ہوسکا اورامت کے جذبات ان بار بار دہرائی جانے والی باتوں سے پراگندہ ہوگئے۔ اس قسم کی تنظیموں کا قیام دراصل اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کو غلط سمجھنے کا نتیجہ تھا' اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ﴿ وَاِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِيْمٌ ﴾''(القلم:۴) بے شک (اے محمدؐ) آپ اخلاق کے بہت بڑے مرتبے پر قائم ہیں'' حقیقت یہ ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا ذاتی وصف ہے نہ کہ معاشرے کا۔ اس طرح رسول اللہ ﷺ کے اس قول کو بھی غلط سمجھا گیا(اِنَّ اللّٰهَ بَعَثَنِیْ لِتَمَامِ مَكَارِمَ الاَخْلاَقِ) '' بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے مکامِ اخلاق کو پورا کرنے کے لئے بھیجا ہے''اور رسول اللہ ﷺ کا یہ قول (اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلاَقِ)'' مجھے مکارم اخلاق کی تکمیل کے لئے مبعوث کیا گیا'' باوجود یکہ یہ دونوں احادیث اوران جیسی دوسری احادیث یہ سب ایک فرد کی صفات سے متعلق ہیں نہ کہ معاشرے کی صفات سے متعلق۔ اس طرح ان تنظیموں کو بنانے کے لئے کسی شاعر کے اس غلط قول کا بھی سہارا لیا گیا:

وَاِنَّمَا الاُمَمُ الاَخْلاَقِ مَا بَقِيْت
فَاِنْ هُمْ ذَهَبَتْ اَخْلاَ قُهُمْ ذهَبُوْا
جب تک اخلاق باقی ہیں تو امتیں باقی ہیں
جب اخلاق ختم ہوجائیں تو امتیں بھی فنا ہوجاتیں ہیں

اس کے برخلاف امتوں کی دوام وبقا کا دارومدار ان کے اخلاق پر نہیں بلکہ ان کے اپنائے ہوئے عقائد' ان کے اختیار کیے ہوئے افکار اور ان کے نافذ کیے ہوئے نظاموں پر ہوتا ہے۔ اس طرح ان تنظیموں کی بناوٹ معاشرے کو افراد کا مجموعہ سمجھنے کے غلط مفہوم پر مبنی تھی' باوجودیکہ معاشرہ ایک کل ہے جس کے یہ اجزا ہیں:
انسان' افکار' احساسات اور نظام۔ معاشرے کا بگڑ جانا اس کے افکار'

احساسات اور نظاموں کے بگڑ جانے کی وجہ سے ہوتا ہے نہ کہ انسانوں کے بگڑ جانے سے۔اس کی اصلاح بھی افکار' احساسات اور نظاموں کی اصلاح سے ہوتی ہے۔

اس طرح ان تنظیموں کی بنیاد بہت سے مصلحین اور علمائے اخلاق کے ذہنوں میں پیوست ہونے والی اس فکر پر رکھی گئی کہ فرد ہی معاشرے کو خراب کرتا ہے اور فرد کو اس کے اخلاق تباہ کرتے ہیں' لہٰذا اچھے اخلاق انسان کو استقامت والا' فعّال' پر جوش' بھلائی اور اصلاح کے کام کرنے والا بناتے ہیں۔ مذموم اخلاق اس کو کمزور ڈھیلا ڈھالا' بے فائدہ' ہر خیر سے خالی' خواہشات نفس کا پیرو کار اور انا پرست بنا دیتے ہیں۔ پس انہوں نے یہ سمجھا کہ معاشرے کی اصلاح فرد کی اصلاح سے ہوتی ہے چنانچہ انہوں نے اخلاقیات سے معاشرے کی اصلاح کا ارادہ کیا تا کہ امت اخلاق کے ذریعے نشاۃِ ثانیہ کی راہ پر گامزن ہو سکے۔

اس کے باوجود کہ وہ تمام اصلاحی تحریکیں ناکام ہوئیں جن کی بنیاد اس اخلاقی قاعدے پر رکھی گئی تھی مگر لوگ پھر بھی اس بات پر مطمئن ہیں کہ یہ قاعدہ اصلاح کی بنیاد ہے۔ اس بنیاد پر اور تنظیمیں بنائی گئیں۔ درحقیقت اگرچہ فرد جماعت کا جز ہے لیکن معاشرے کی اصلاح کے وسائل فرد کی اصلاح کے وسائل سے الگ ہیں' کیونکہ معاشرے کا بگاڑ اجتماعی احساسات اور فکری و روحانی ماحول کے بگڑ کا نتیجہ ہے' اس طرح اجتماعی غلط مفاہیم بھی معاشرے کے بگاڑ کا سبب ہیں۔ باالفاظِ دیگر معاشرے کا بگاڑ عرفِ عام کے بگاڑ کی وجہ سے ہے۔اس کی اصلاح بھی صحیح عرف عام پیدا کیے بغیر ممکن نہیں۔ دوسرے لفظوں میں معاشرے کی اصلاح اجتماعی احساسات' صحیح فکری اور روحانی ماحول پیدا کئے بغیر جو روحانی پہلو سے متصل ہو اور ریاست کی جانب سے نظام کو نافذ کئے بغیر ممکن نہیں۔ یہ سب اسلامی ماحول پیدا کئے بغیر ممکن نہیں' اس لئے لوگوں کے مفاہیم کی درستگی انتہائی ضروری ہے۔اس طریقے سے معاشرے اور فرد کی اصلاح ہوسکتی ہے۔ یہ کام اجتماعی بنیاد پر جماعت سازی کے بغیر ممکن نہیں لیکن اس (تکتّل) گروہ کی

اساس اخلاق، وعظ وارشاد نہیں ہونے چاہیں۔

یہ ہے نشاۃِ ثانیہ اور اصلاح کے لئے تنظیمی بنیاد پر بننے والے ان گروہوں کی ناکامی کی وجہ جو برائے نام حزبی اساس پر وجود میں آئیں تھیں انہوں نے ایک معین مبدا کی بنیاد پر تبنی نہیں کی اور نہ ہی انہوں نے اس کو سمجھا۔ ان کے افراد کے درمیان رابطہ بھی کسی صحیح اجتماعی اصول کی بنیاد پر نہیں تھا۔

ان گروہوں کی ناکامی کا ایک سبب ان کے افراد بھی تھے، کیونکہ ایک طرف یہ گروہ صحیح حزبی اساس کی بنیاد پر قائم نہیں ہوئے تھے جس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے پاس فکر اور طریقہ نہیں تھا اور ان کی جماعت سازی کا طریقہ غلط تھا۔ دوسری طرف ان کی جماعت سازی افراد کی ذاتی صلاحیت کی بنیاد پر بھی نہیں تھی، بلکہ صرف معاشرے میں ان افراد کے رتبے کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ جماعتیں وجود میں آئیں تھیں، کہ ایک فرد کے مقابلے میں ایک جماعت یا حزب کے ذریعے کس طرح زیادہ سے زیادہ وقتی فوائد حاصل کئے جاسکتے ہیں۔

ان جماعتوں کی رکنیت کے لئے افراد کو اس بنیاد پر منتخب کیا جاتا تھا کہ ایک فرد اپنی قوم میں صاحب وجاہت ہے، یا مالدار ہے، یا وکیل، ڈاکٹر یا صاحب اثر ہے اس بات کو نظر انداز کیا جاتا تھا کہ جس گروہ کا اس کو رکن بنایا جارہا ہے وہ اس کی صلاحیت بھی رکھتا ہے یا نہیں۔ اس لئے ان گروہوں کے افراد کے مابین انتشار اور طبقہ واریت کا غلبہ رہتا تھا۔ ان احزاب اور تنظیموں کے افراد کے اندر لاشعوری احساس بھی تھا کہ وہ باقی لوگوں سے نہ صرف مال و جاہ کے لحاظ سے بلکہ ایک حزب یا تنظیم کا رکن ہونے کے لحاظ سے بھی ممتاز ہیں۔ اس لئے ان کے اور قوم کے درمیان کوئی ہم آہنگی اور قرب پیدا نہیں ہو سکا۔ اس لئے ان تنظیموں یا احزاب کا وجود مصیبت بالائے مصیبت اور معاشرے کی ان مشکلات میں مزید اضافہ تھا جن کے نیچے معاشرہ پہلے ہی سسکیاں لے رہا تھا۔

لہٰذا اس مطالعہ غور وفکر اور چھان بین کے بعد ہم یہ کہ سکتے ہیں کہ گزشتہ صدی کے دوران تمام اسلامی ممالک میں کوئی ایسا صحیح (تکتّل) گروہ وجود میں نہیں آیا جو امت کو نشاۃ ثانیہ کی راہ پر گامزن کر سکے۔ باوجود اس کے کہ امت کسی صحیح گروہ کے بے غیر نشاۃِ ثانیہ حاصل نہیں کر سکتی یہ تمام گروہ غلط طریقے سے وجود میں آنے کی وجہ سے ناکامی سے دو چار ہوئے پھر وہ کون سا صحیح گروہ ہے جو امت کی نشاۃِ ثانیہ کا سبب بن سکتا ہے؟ اس امر کی وضاحت کی ضرورت ہے۔

وہ صحیح گروہ جس کے ذریعے امت نشاۃِ ثانیہ حاصل کر سکتی ہے اس کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اس تنظیمی بنیاد پر وجود میں آئے، جس کا اجتماعی نظام چند اعمال و اقوال یا صرف اعمال اور اقوال پر مشتمل ہو۔ اس امت میں جو نشاۃِ ثانیہ کی خواہشمند ہے اس قسم کے گروہ کی حوصلہ افزائی کرنا جائز نہیں۔ اس طرح اس گروہ کو اس غیر مبدائی اساس پر بھی قائم نہیں ہونا چاہیے جس اساس پر پہلی جنگ عظیم سے لیکر اب تک عالم اسلام میں بننے والے گروہ قائم ہیں۔

صحیح گروہ صرف وہ ہے جو اسلامی حزبی مبدا پر قائم ہو، فکر ہی اس گروہ کے جسم کی روح ہو، یہی اس کی تخم اور اس کی زندگی کا راز ہو۔ اس کا پہلا خلیہ وہ انسان ہو جس میں فکر اور اس فکر کی جنس کا طریقہ عملاً موجود ہو، یہاں تک کہ وہ انسان اپنی صفائی و ستھرائی میں اور وضاحت واستقامت میں اپنے طریقے کی طرح ہو۔ جب یہ تین چیزیں پائی جائیں گی یعنی عمیق فکر، واضح طریقہ، صاف ستھرا انسان تو پہلا خلیہ وجود میں آتا ہے۔ پھر یہ خلیہ دوسرے خلیوں میں بڑھتا چلا جاتا ہے یوں حزب کا پہلا حلقہ (حزب کی قیادت) وجود میں آتا ہے۔ جب پہلا حلقہ وجود میں آتا ہے تو حزب کی جماعت سازی پھوٹ پڑتی ہے، کیونکہ یہی حلقہ ایک گروہ (کتلہ) کی شکل اختیار کرتا ہے۔ اب یہ گروہ ایک ایسے حزبی رابطے کا محتاج ہوتا ہے جو ان لوگوں کو مربوط کرے جو اس فکر اور طریقے کو اپناتے ہیں۔ یہ حزبی رابطہ وہ عقیدہ ہے جس سے حزب کا فلسفہ اور

وہ ثقافت نکلتی ہے جس کے مفاہیم کی وجہ سے حزب ممتاز ہوتی ہے۔ اس طرح حزبی گروہ وجود میں آ کر کارزارِ حیات میں چل پڑتا ہے۔ پھر اس کو گرم و سرد موسم' تند و تیز ہواؤں اور صاف و گرد آلود فضاؤں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ پس جب یہ حزبی گروہ ان عوامل کے سامنے ڈٹتا ہے تب اس کی فکر روشن' اس کا طریقہ واضح ہو جاتا ہے' اس کے افراد تیار اور اس کا رابطہ مضبوط ہو جاتا ہے۔ اب یہ گروہ ایک گروہ سے ایک مکمل مبدائی حزب کی شکل میں دعوت و عمل کے میدان میں قدم آگے بڑھاتا ہے' یعنی صحیح نشاۃِ ثانیہ کے لئے کام شروع کر دیتا ہے۔ یہ ہے وہ صحیح جماعت جس کی بنیاد فکر ہوتی ہے کیونکہ یہی زندگی کی اساس ہے۔

رہی یہ بات کہ یہ مبدائی حزبی گروہ اس امت کے اندر کیسے طبعی طور پر پیدا ہو جو نشاۃِ ثانیہ کی خواہشمند ہے' اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے:

امت ایک ایسا جسد واحد ہے جس کے اجزا نہیں ہو سکتے' یہ اپنی مکمل تکوین میں ایک ہی انسان جیسی ہے۔ پس جیسا کہ ایک انسان ایسے مہلک مرض میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ جس سے موت کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے' پھر اس انسان کے اندر زندگی کی رمق پیدا ہوتی ہے' اس طرح یہ انسان آہستہ آہستہ ایک کل کی حیثیت سے تندرستی کی جانب رواں دواں ہو جاتا ہے' بالکل اس طرح انحطاط کا شکار امت گویا مریض جسم ہے۔ جب اس میں زندگی کی لہر پیدا ہوتی ہے تو اس کے پورے جسم میں اس کے ایک ہی جسد ہونے کی حیثیت سے زندگی واپس آتی ہے۔ امت کی زندگی سے مراد وہ فکر ہے جس کے ساتھ اس کا ہم جنس طریقہ بھی ہے تاکہ وہ اس طریقے کو نافذ کرے فکر اور طریقہ کے مجموعے سے جو چیز وجود میں آتی ہے اس کو مبدا کہتے ہیں۔

امت کے اندر دوبارہ زندگی کی روح پھونکنے کے لئے صرف مبدا کا وجود کافی نہیں بلکہ جب امت اس مبدا سے ہدایت حاصل کرے اور زندگی میں اس پر عمل پیرا ہو جائے تب اس میں بالیدگی دوبارہ پیدا ہوتی ہے' بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ امت

کے پاس مبدا قانونی' ثقافتی اور تاریخی میراث کے طور پر تو موجود ہوتا ہے لیکن امت اس کے بارے میں یا اس کے فکر یا طریقہ یا ان دونوں کے آپس سے تعلق کے بارے میں غفلت کا شکار ہوتی ہے۔ اس صورت میں صرف فکر اور طریقہ کا پایا جانا نشاۃِ ثانیہ کے لئے کافی نہیں۔

امت میں عادتًا اس وقت بالیدگی دوبارہ پیدا ہوتی ہے جب معاشرے میں سخت جھٹکے لگیں جس کے نتیجے کے ذریعے معاشرے میں ایک مشترک احساس پیدا ہوجائے۔ یہ اجتماعی احساس کچھ فکری اعمال کا سبب بنتا ہے جس کے نتیجے میں ان جھٹکوں کے اسباب اور ان سے چھٹکارا پانے کے ہر ممکن وسائل کے بارے میں بحث و تمحیص کے بعد کچھ مسائل کی نشاندہی ہوتی ہے۔ ان مسائل کے دلائل بھی ساتھ ساتھ ہیں' جن کے نتیجے میں اور ان کے طبعی منطق سے صحیح فکر پیدا ہوتی ہے۔ یہ فکر اس منطق یعنی ان مسائل اور دلائل سے متصل ہوتی ہے۔ جب یہ اعتقاد دائمی ہوتا ہے تو اس سے یہ فکر وسیع تر ہوتی ہے' یہاں تک یہ فکر امت کے ماضی' حال' مستقبل' امتوں اور قوموں کی تاریخ' واقعات' حادثات' اس طرح امتوں اور قوموں کے افکار اور ان کی نشاۃِ ثانیہ کے وسائل' ان کا موازنہ اور کمی بیشی پر مشتمل ہوتی ہے۔ اس حالت میں عقل مبدا یعنی فکر اور طریقے سے راہنمائی حاصل کرکے اور اس مبدا کا ادراک کرکے اس پر ایمان لاتی ہے' یہ سب کچھ ان منطقی فیصلوں کی صحت' صلاحیت اور نتیجہ خیزی کی دلائل دینے کے بعد ہوتا ہے۔ اس مبدا سے یہ راہنمائی حاصل کرنا اجتماعی طور پر ہوتا ہے' کیونکہ ایک کلی احساس تھا جس نے اس نتیجے پر پہنچایا۔

یہ احساس اگرچہ معاشرے کے افراد کے درمیان ایک ہی مشترک ہوتا ہے لیکن یہ لوگوں کے درمیان' ان کی استعداد اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عطا کردہ صلاحیت کے لحاظ سے مختلف ہوتا ہے۔ اس لئے اس فکر سے رہنمائی حاصل کرنے کی صلاحیت پوشیدہ ہوتی ہے یہاں تک کہ اس کی تاثیر کرنے کی صلاحیت مجتمع ہوتی ہے اور ہر ایک کے اندر

اس کے احساس کے بقدر مرتکز ہوتی ہے۔ یہ چیز ان کو بیدار کرتی ہے اور دلوں میں یہ بات ڈال دیتی ہے جس سے ان کے اندر تحریک پیدا ہوتی ہے یوں سب سے پہلے ان کے اندر زندگی کا مقصد ظاہر ہوتا ہے۔

وہ افراد جن کے اندر یہ اعلیٰ درجے کا احساس پیدا ہوتا ہے ان کے اندر اجتماعی احساسات پروان چڑھتے ہیں' ان کے اندر فکر پیوست ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ بیداری اور ادراک سے متحرک ہوتے ہیں' یہ لوگ امت کی آنکھیں اور اس کا بیدار گروہ ہوتے ہیں۔

لیکن یہ بیدار گروہ ششدر اور پریشان ہوتا ہے' یہ اپنے سامنے کئی راستے دیکھتا ہے اور حیران ہوتا ہے کہ کونسے راستے کو اختیار کرے۔ پھر اس اجتماعی گروہ کے اندر بھی بیداری کی تحریک مختلف نسبتوں سے ہوتی ہے۔ چونکہ اس گروہ کے بعض افراد کے اندر یہ احساس بعض کی نسبت زیادہ مضبوط ہوتا ہے' چنانچہ اس گروہ میں سے ایک ممتاز اور منتخب طبقہ اٹھ کھڑا ہوتا ہے جو مطالعہ اور باریک بینی سے بحث وتمحیص کرنے کے بعد ان راستوں میں سے ایک راستے کا انتخاب کرتا ہے۔ وہ اپنے مقصد کو پیشِ نظر رکھتا ہے جس طرح کہ اس راستے کے بارے میں بصیرت حاصل کرتا ہے جس راستے سے اُسے چل کر جانا ہے' یوں یہ گروہ اپنے منزلِ مقصود کی طرف گامزن ہوجاتا ہے' اس طرح وہ اپنی فکر اور طریقے سے مبداء سے راہنمائی حاصل کرتا ہے' اس مبداء پر ایسا راسخ عقیدہ رکھتا ہے کہ وہ اس مبداء کے اندر ڈھل جاتا ہے اور یہ مبداء اس کا عقیدہ بن جاتا ہے۔ یہ عقیدہ ہی حزبی ثقافت کے ساتھ اس گروہ کے افراد کے مابین رابطہ ہوتا ہے۔

جب یہ مبداء لوگوں میں پختہ ہوجاتا ہے تو یہ ان کے اندر محبوس ہوکر نہیں رہتا ہے بلکہ یہ ان کو اس کی طرف دعوت دینے پر مجبور کرتا ہے۔ پھر ان کے اعمال اس مبداء کے رنگ میں رنگ جاتے ہیں وہ اس کے منہج کے مطابق ہوتے ہیں اور اس کے حدود

کے پابند ہوتے ہیں۔ ان اشخاص کا وجود ہی اس مبدا اور اس کی طرف دعوت کے لئے ہوتا ہے اور وہ اس کے فرائض کی ادائیگی کرتے ہیں۔ اس دعوت کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ لوگ صرف اور صرف اس مبدا کو اختیار کریں اور اس کے بارے میں رائے عامہ ہموار ہوجائے۔ یوں یہ پہلا حلقہ ایک گروہ میں تبدیل ہوجاتا ہے' پھر یہ گروہ ایک ایسی مبدائی حزب میں تبدیل ہوجاتا ہے اور طبعی طور پر دو پہلوؤں سے آگے بڑھتا رہتا ہے۔ ایک پہلو تو یہ ہے کہ یہ دوسرے ایسے خلیوں کو پیدا کر کے اپنے خلیوں میں اضافہ کرتا ہے جو اس مبداء کو انتہائی بیداری اور ادراک سے اپناتے ہیں' جبکہ دوسرا پہلو یہ ہے کہ اس مبدا کے بارے میں پوری امت کے اندررائے عامہ پیدا کی جائے۔ یوں مبداء کے بارے میں اس عام بیداری کے نتیجے میں امت کے اندرافکار' آراء اور اعتقاد کی وحدت پیدا کی جائے' یہ ایسی وحدت ہو جو اگرچہ مکمل اتفاقِ رائے نہ ہو تو اجتماعی ضرور ہو۔ اس طرح امت کا ہدف' امت کا عقیدہ اور زندگی کے بارے میں امت کا نقطہ نظر ایک ہوگا۔ یوں حزب ایک کٹھالی بن جاتی ہے جس میں امت پگھل جاتی ہے اور ان گندگیوں اور مفاسد سے پاک ہو جاتی ہے جو اس کے انحطاط کا سبب بنے یا دورَ انحطاط میں اس کے اندر سریت کر گئے۔ حزب ہی امت کی صفائی کے اس کام کی نگرانی کرتی ہے جو کہ نشاۃ ثانیہ کا سبب بنتا ہے۔ یہ ایک انتہائی مشکل کام ہے۔ اس لئے یہ کام صرف وہ حزب کرسکتی ہے جو اپنی فکر میں ڈھل چکی ہو' اپنی زندگی کو اس فکر کے سانچے میں ڈھال چکی ہو اور اپنے ہر قدم کا ادراک بھی کرتی ہو۔

اس کا سبب یہ ہے کہ وہ احساس جو حزب کے اندر فکر پیدا کرتا ہے تو یہ فکر امت میں موجود متعدد افکار میں چمکتا ہے اور ان افکار میں سے ایک فکر ہوتا ہے۔ شروع میں تو یہ سب سے کمزور فکر ہوتی ہے کیونکہ ان سب افکار میں نئی پیدا شدہ اور جدید ترین ہوتی ہے۔ یہ اب تک نافذ العمل نہیں ہوتی' اس کے لئے فضاء سازگار نہیں ہوتی' لیکن

چونکہ یہ احساس کے منطق کا نتیجہ ہے یعنی یہ ایسا فہم ہے جو کسی ادراک سے پیدا شدہ ہوتا ہے چنانچہ یہ فکری احساس یعنی ایسا احساس پیدا کرتا ہے جو فکر عمیق کا نتیجہ اور واضح ہو۔ یہ طبعی طور پر ہر اس شخص کو پاک صاف کرتا ہے جس کے اندر سموتا ہے اور اس کو مخلص بنا کر چھوڑتا ہے' اگرچہ وہ مخلص نہ بھی بننا چاہے تو وہ ایسا نہیں کرسکتا۔ یہ فکر مخلص کے اندر عقیدہ اور ثقافت کی حیثیت سے نمایاں ہوتی ہے۔ پھر یہ اس شخص کے اندر زبردست انقلاب پیدا کرتی ہے۔ یہ انقلاب شعور اور فکر پر چلنے کے نتیجے میں ایک ایسا دھماکہ ہے جو دعوت کے راستے میں جذبات' سچائی اور جوش وخروش کو جلا بخشتا ہے' نیز دعوت کے اندر عین اس وقت منطق اور فکر کو بھی ساتھ ساتھ لیکر چلتا ہے۔ گویا یہ ایک ایسی آگ ہے جو کہ فساد کو جلا دیتی ہے اور ایک ایسا نور ہے جو کہ اصلاح کے راستے کو روشن کرتا ہے۔ اس طریقے سے یہ دعوت فاسد افکار' روبہ زوال عقائد' متعفن عادات کے ساتھ کشمکش میں داخل ہوتی ہے اور وہ اپنے دفاع کی کوشش کرتے ہیں' لیکن ان کا دفاع صرف یہ ہوتا ہے کہ وہ اس نئے مبداء سے ٹکراتے ہیں جس سے یہ مبداء مزید مضبوط ہوتا ہے۔ اس کشمکش کا عرصہ زیادہ طویل نہیں ہوتا یہاں تک کہ تمام افکار وعقائید اس کے سامنے سرنگوں اور تمام راستے کھل جاتے ہیں' امت کے اندر صرف حزب کا مبداء باقی رہتا ہے' یہیں مبداء امت کی فکر اور اس کا عقیدا بن جاتا ہے۔ جب حزب نے افکار' عقائد اور آراء کو متحد کرلیا تو اس نے امت میں بصیرت افروز انداز سے اتحاد پیدا کردی ہوگی۔ گویا اس کو پگھلایا اور صاف شفاف کردیا تو وہ ایک امت بن جائے گی' اس طرح صحیح وحدت وجود میں آئے گی۔

اس کے بعد حزب کا دوسرا مرحلہ شروع ہوتا ہے' اس میں حزب اصلاحی اور انقلابی عمل میں امت کی قیادت کرتی ہے' تاکہ امت نشاۃِ ثانیہ کی طرف گامزن ہو سکے' پھر یہ امت کو ساتھ لے کر اسلام کے پیعام کو دوسری اقوام اور امتوں تک پہنچائے تاکہ انسانیت کے حوالے سے اپنے اوپر عائد ہونے والے فریضہ سے عہد برآ ہو سکے۔

یہ حزبی گروہ ہی اجتماعی تحریک ہے اور اس کے اجتماعی گروہ نہ ہونے کی کوئی گنجائش بھی نہیں کیونکہ ایک صحیح گروہ کبھی بھی انفرادی تحریک نہیں ہوتی۔اس سے اسلامی ممالک میں حزب کے ذمہ داروں پرلازم ہے کہ وہ اجتماعی تحریکوں کے بارے میں باریک بینی سے بحث وتحقیق کریں اور ان کو اچھی طرح سمجھ لیں۔جب ہم ان اجتماعی تحریکوں کا مطالعہ کرتے ہیں' جنہوں نے اپنے دور میں اپنے ماحول کو بہت متاثر کیا تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ تحریکیں ایسے حالات میں برپا نہیں ہوئیں جب کہ ہر طرف آسودگی ہو'انسان کے طبعی حقوق میسر ہوں' بے پناہ خوشحالی ہو اور اس وقت شخصی قابلیت ہی اہم امور کے لیے معیار ہو۔اجتماعی تحریکوں کو اس طرح سمجھنے سے ہم اسانی سے ہر اجتماعی تحریک کو اس کے عادلانہ ترازو میں تول سکتے ہیں' ہم اس ماحول اور ان حالات کے مطالعے سے جن میں یہ تحریکیں تھیں یا ہیں اور ان باخبر افراد کے دائرہ کار کو دیکھنے کے بعد جو ان تحریکوں کے روح رواں تھے یہ سمجھ سکتے ہیں کہ وہ کس حد تک اس کام پر قدرت رکھتے تھے اور اپنے راستے میں حائل روکاوٹوں کو دور کرنے پر کہاں تک قادر تھے۔

ان تحریکوں کی کامیابی کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب حکمران ٹولے نے یاموجودہ نظام نے ان کے مبداء سے سازباز کرنے یا ان پر اپنے مفادات و خواہشات کے مطابق حکومت کرنے کی کوشش کی تو یہ لوگوں کے اندران کے خلاف کس قدر ناپسندگی اور ناگواری پیدا کر سکے۔

ان اجتماعی تحریکوں کو سمجھنا ہم سے تقاضا کرتا ہے کہ ہم معاشرے میں زندگی کا مطالعہ کریں۔امت کے حکمرانوں اور حکمرانوں کے امت کے ساتھ تعلقات کو سمجھ لیں'اس طرح ان آراء' افکار اور احکام کی حقیقت اسلام کی نظر میں کیا تھی جن کی طرف یہ دعوت دیتے تھے اور اس چیز سے ان کا موازنہ جو معاشرے میں ہے۔اس طرح ان احکامات'افکار اور آراء میں کس طرح تغیر'تبدیلی اور اجتہاد کیا گیا'فروع اور اصول میں

اس اجتہاد کی کیا حقیقت ہے اور کیا اسلام اس کی اجازت دیتا ہے یا نہیں؟ اس طرح ان اجتماعی تحریکوں کے مطالعے کا یہ بھی تقاضا ہے کہ ہم امت کے نفسیاتی حالات کو بھانپ لیں' امت خود دیکھ رہی ہے کہ وہ جس دنیا میں رہ رہی ہے یہاں سے یہ اسلامی افکار' آراء اور احکامات سکڑتے جارہے ہیں' اس کے برخلاف وہ نظام زندگی اور نظام حکومت جو ان پر نافذ کیا جارہا ہے یہ بزور شمشیر' مکروفریب اور مال و دولت کے بل بوتے پر ان پر مسلط کیا جارہا ہے۔

ان تحریکوں کو سمجھنے کا یہ بھی تقاضا ہے کہ ہم امت پر نافذ کیے جانے والے اس نظام جو کہ امت کے زوال' ناکامی اور نامرادی کا سبب ہے کی طرف امت کے رجحان اور نقطہ نظر کو سمجھیں۔ اس طرح امت میں موجود مفکرین کے رجحانات کا جائزہ لیں اور یہ دیکھیں کہ کس حد تک اس مسلط فاسد نظام کو قبول کر رہے ہیں' کیا اس فاسد نظام کے بارے میں ان کے اندر کسی قسم کی ناگواری ہے' اس طرح اس بات کو بھی سمجھنا چاہیئے کہ وہ اس نظام کی جانب سے دی جانے والی دھمکی اور لالچ سے کس قدر متاثر ہو رہے ہیں' وہ اس لالچ میں کس حد تک آرہے ہیں اور اس نظام کے آگے کس طرح جھکتے ہیں۔

پھر اس حزبی گروہ کو اپنے آپ کو بھی پہچاننا چاہیئے' اس کو مکمل احساس ہونا چاہیئے' اس کے پاس عمیق فکر' اخلاص خالص ہونا چاہیے تاکہ معاشرے میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ اسلام اور اسلامی شرائع پر اس کے ایمان کو کمزور نہ کرے' اس طرح کسی قسم کا لالچ' دھمکی' تشدد' دادودہش اور آزمائش اس کو متاثر نہ کرے۔ پھر اس بات کو سمجھنا چاہیے کہ یہ گروہ اپنی اقدار اور ایمان کا مکمل محافظ ہے' گہری فکر سے مزین عام مفادات کے بارے میں تہلنی کرتا ہے اور اس کو اپنی ذمہ داری کا احساس ہے' گویا یہ ہر لحاظ سے کامل ہے' یعنی اس کا مبداء ایک انتہائی محفوظ قلعے میں ہے خواہ اس کو کس قدر تشدد' ظلم و جور' سختی' اور خوف کا سامنا ہو' پھر اس گروہ کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ اس نے یہ مصمم ارادہ کیا ہے کہ وہ تمام تر نتائج سے بے پرواہو کر اس ذمہ داری کو اٹھانے پر کمربستہ ہو چکا ہے۔

اجتماعی تحریکوں کے بارے میں یہ تاریخی اور واقعاتی بحث ایک مبدائی حزب کے ایک اجتماعی حزب ہونے کی حیثیت سے اس کی رفتار کی حقیقت کی طرف راہنمائی کرسکتی ہے۔اس طرح اس کو یقینی صورت دینا تاکہ وہ اپنی طبی رفتار کی لازمی شرائط پر پورا اتر سکے۔یہاں تک کہ محسوس ہونے لگے وہ راہ راست سے منحرف ہورہی ہے یا اس مطالعے کا یہ تقاضا ہو کہ اس کے بنیادی ڈھانچے میں کسی قسم کی تبدیلی کی جائے' یا رفتار میں لچک پیدا کی جائے یا جدوجہد میں مزید سختی کی ضرورت ہے اس طرح اس مطالعے سے اس بات کا علم ہوسکتا ہے کہ وہ کون سے اسالیب ہیں جن کو اختیار کر کے امت کی نشاۃ ثانیہ اور اس پیغام کو دوسری امتوں اور قوموں تک پہنچانے کے سلسلے میں اس پر جو زمہ داری عائد ہوتی ہے اس سے عہدہ برآ ہو سکے۔

حزب کی گروہ سازی مندرجہ زیل طریقے سے ایک صحیح گروہ سازی ہوتی ہے:

۱۔ ایک بلند فکر اور اعلی احساس والا شخص جب مبداء تک رسائی حاصل کرے اور اس کو قبول کر کے اس کے ساتھ چلنے لگے یہاں تک کہ وہ فکر اس شخص کے اندر انتہائی صاف شفاف اور اس کے لئے مکمل واضح ہو جائے تب حقیقتاً پہلا خلیہ وجود میں آتا ہے یہ خلیہ کثیر التعدا بڑھنا شروع ہو جاتا ہے اور دوسرے اشخاص شامل ہوتے ہیں جن کی حیثیت دوسرے خلیوں کی ہوتی ہے' وہ مبداء کے ذریعے ایک دوسرے سے بالکل متصل ہو جاتے ہیں یوں ان سے حزبی گروہ کے لئے پہلا حلقہ وجود میں آتا ہے جو کہ حزب کی قیادت ہوتی ہے' ان افراد کے درمیاں گروہ سازی کا محور صرف اور صرف مبداء ہونا انتہائی ضروری ہے' اس طرح یہ مبداء ہی ان سب کو اپنی طرف کھینچنے کے لئے کشش ثقل بنے۔

۲۔ ابتداء میں یہ پہلا حلقہ عادتاً تعداد کے لحاظ سے کم اور حرکت کے لحاظ سے سست رفتار ہوتا ہے کیونکہ اگرچہ یہ اس معاشرے کے احساس کا اظہار کرتا ہے جس میں

یہ خود رہتا ہے لیکن یہ جن الفاظ اور معانی کے ذریعے اس احساس کا اظہار کرتا ہے وہ ان الفاظ اور معانی سے مختلف ہیں جن کا معاشرہ عادی ہو چکا ہے۔اس طرح یہ اگرچہ معاشرے کی احساسات کی ترجمانی کرتا ہے لیکن اس کے لئے یہ مفاہیم معاشرے کے رائج الوقت مفاہیم سے بالکل مختلف ہیں۔اس وجہ سے یہ حلقہ گویا معاشرے میں ایک اجنبی ہے اور شروع شروع میں اس کی طرف صرف وہ لوگ آئیں گے جن کے اندر احساس اس حد تک قوی ہو کہ حلقہ اولیٰ میں پائے جانے والی مبداء کی مقناطیسی کشش کی طرف جذب ہو جانے کے لئے ان کے اندر قابلیت پہلے سے ہو۔

۳۔ اس پہلے حلقے (قیادت) کی فکر عادتاً بہت گہری اور عمیق ہوتی ہے اور نشاۃِ ثانیہ کے بارے میں اس کا طریقہ بنیادی یعنی بالکل جڑ کی طرح ہوتا ہے۔اس لئے یہ حلقہ اولیٰ ان ناگفتہ بہ حالات جن میں امت زندگی گزار رہی ہوتی ہے سے بلند ہوکر اونچی فضاؤں میں پرواز کرتا رہتا ہے اور ان حالات کو دیکھتا رہتا ہے جن کی طرف یہ امت کو منتقل کرنا چاہتا ہے۔ اس طرح وہ اس راستے کا مشاہدہ بھی کرتا ہے جس پر حالات کو بدلنے کے لئے چلتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ وہ اس وقت پس دیوار حالات کو سمجھتا ہے جس وقت معاشرے میں صرف اس چیز کو دیکھا جاتا ہے جو سامنے ہے' چونکہ وہ جس معاشرے میں ہے وہ معاشرہ انتہائی برے حالات سے دوچار ہے اور اس کے لئے فضاؤں میں پرواز کرنا بہت مشکل ہے' چنانچہ اس لئے موجودہ حالات کا صحیح ادراک بھی دشوار ہوتا ہے۔ ذوال کے شکار معاشرے میں فکر یہ بالکل ابتدائی ہوتی ہے' یہ معاشرہ ہر صورت میں موجودہ حالات پر بھروسہ کرتا ہے' پھر غلط طریقے سے اشیاء کو اس پر قیاس شمولی کے ذریعے قیاس کرتا ہے اور اپنے آپ کو اس سانچے میں ڈھالتا ہے اس لئے تمام منافع کو ان حالات کے دائرے میں رکھتا ہے۔

جبکہ حزبی حلقہ اولیٰ اپنی فکر کے لحاظ سے اپنے ابتدائی دور سے آگے نکل کر تکمیل کے راستے پر گامزن ہو چکا ہوتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ وہ موجودہ حقیقت کو اپنی فکر کا

مصدر نہیں بناتا نہ ہی مبداء کو حقیقت کے مطابق چلاتا ہے بلکہ وہ موجودہ حقیقت کو اس حیثیت سے اپنی فکر کا موضوع بناتا ہے تاکہ وہ ان حقیقت کو مبداء کے موافق بدل دے‘اس لئے وہ حقیقت کو بدلنے اور اس کو اپنے ارادوں کے سامنے سرنگوں کرنے کی کوشش کرتا ہے تاکہ حقیقت اس مبداء کے دائرے میں آئے جس کا یہ حامل ہے‘نہ کہ وہ مبداء کو موجودہ حقیقت سے ہم آہنگ کرے۔یوں اس حلقہ اولیٰ اور معاشرے کے درمیان زندگی کے بارے میں نقطہ نظر کو سمجھنے میں واضح فرق ہوتا ہے جس کو قریب کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

۴۔ حزبی حلقہ اولیٰ (قیادت) کی فکر ایک پائیدار قاعدہ کی بنیاد پر ہے اور وہ قاعدہ یہ ہے کہ فکر لازماً عمل سے متصل ہو‘اس طرح فکر اور عمل دونوں ایک متعین مقصد تک پہنچنے کے لئے اور اس رعایت کو حاصل کرنے کی کوشش میں ہو جس کو ہدف بنا کر یہ آگے بڑھ رہے ہوں۔یہی وجہ ہے اس قیادت کے پاس اس مبداء کی عملی شکل کے ہونے کی وجہ سے اور فکر کی مذکورہ قاعدہ کے حوالے سے ایک پائیدار ایمانی فضا پائی جاتی ہے‘یہی چیز حالات کو بدلنے میں اس کی معاون ہوگی‘ کیونکہ یہ فکر رونما ہونے والے حالات کی صورت اختیار نہیں کرتی بلکہ ان رونما ہونے والے واقعات و حالات کو اپنی اصلی صورت کی طرف مائل کرتی ہے‘برخلاف اس رو بہ زوال معاشرے کے جس کی فکر کے لئے کوئی قاعدے نہیں۔یہ معاشرہ اپنے تمام مجموعے کے باوجود اس مقصد سے بے بہرہ ہے جس کے لئے ہی فکر و عمل کرتا ہے‘اس معاشرے کے افراد کے پاس وقتی اور ذاتی مفادات ہوتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ اس کے ہاں کوئی ایمانی فضاء نہیں ہوتی تو وہ اپنے آپ کو موجودہ حالات کے سانچے میں ڈھال دیتا ہے اور اپنے آپ کو اپنی شکل میں نہیں ڈھال سکتا۔یہی وجہ ہے کہ حزب کے حلقہ اولیٰ اور اس معاشرے کے درمیان ابتداء میں زبردست ٹکراؤ ہوتا ہے جہاں یہ پہلے وجود میں آتا ہے۔

۵۔ حزب کے حلقہ اولیٰ (قیادت) کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ اس ایمانی فضاء کو وجود

میں لائے جو فکر کا ایک خاص طریقہ مقرر کرے اس کے لئے ایسی سرگرمیاں کرنا بھی ضروری ہے کہ جس سے یہ انتہائی سرعت سے اپنے جسم کو نشوونما کرے اور اپنے ماحول کو صاف ستھرا بنائے' یہاں تک کہ اپنے جسم کو صحیح سالم حزبی عمارت بنائے' اس طرح بڑی تیز رفتاری اور چابک دستی سے حزبی حلقہ سے ایک حزبی گروہ میں تبدیل ہو جائے' پھر ایک مکمل حزب بن جائے اور اپنے آپ کو اس طرح معاشرے کے سامنے پیش کرے کہ یہ معاشرے پر اثر انداز ہو نہ کہ معاشرہ اس پر اثر انداز ہو۔

۶۔ یہ کام اس وقت ہو سکتے ہیں جب کہ انتہائی بیداری سے معاشرے' اشخاص' اور ماحول کا مطالعہ کیا جائے اور اس بات سے انتہائی محتاط رہا جائے کہ حزب کے ڈھانچے میں کوئی فاسد عنصر سریت نہ کر جائے' اس طرح اس بات سے بھی احتیاط کی جائے کہ حزب کے ان ڈھانچوں میں سے کسی ڈھانچے میں جن کے مطابق حزب کی جماعت سازی ہوتی ہے کوئی ایسی غلطی نہ ہو جائے جس سے حزب صحیح نقطہ نظر کو چھوڑ کر کسی غیر نقطہ نظر کی طرف جھک جائے اور حزب دھڑے بندی کا شکار ہو جائے۔

۷۔ یہ بات بہت ہی ضروری ہے کہ حزب کے اراکین کے مابین رابطہ صرف راسخ و پائیدار عقیدہ اور حزب کی پختہ ثقافت ہو' حزب کو چلانے کا قانون کاغذ کے ٹکڑے پر لکھا ہوا وہ انتظامی قانون نہیں بلکہ یہی چیز وہ قانون ہے جس کے مطابق حزب کو چلنا چاہیے۔ اس عقیدے اور ثقافت کو مضبوط کرنے کا طریقہ مطالعہ اور فکر ہے' جس سے عقل کی ایک مخصوص بناوٹ بن جاتی ہے اور ایسا فکر وجود میں آتا ہے جو شعور کے ساتھ متصل ہوتا ہے۔ یہ بات انتہائی ضروری ہے کہ حزب پر اجتماعی طور سے ایک ایمانی فضاء چھائی ہوئی ہو تا کہ اس حزب میں دو چیزیں یعنی قلب و عقل ایک ساتھ ہوں۔ اس لئے مبداء پر ایمان لازمی ہے تا کہ حزب کے افراد کے درمیان قلبی یکسانیت ہو' پھر مبداء کو گہرائی سے مطالعہ کرنے' اس کو یاد کرنے' اس کو محفوظ کرنے اور اس کو سمجھنے کی ضرورت ہے تا کہ افراد کے درمیان دوسرا رابطہ یعنی عقلی رابطہ ہو۔ یوں حزب صحیح طریقے سے تیار

ہوگی اور اس کا رابطہ انتہائی مستحکم اور پائیدار ہوگا اور یہ ہر قسم کے طوفانوں کے سامنے ڈٹنے پر کمربستہ ہوگی۔

۸۔ حزب کی قیادت (حزب کا پہلا حلقہ) ایک پہلو سے مصنوعی موٹر سے مشابہ ہے، جبکہ ایک اور پہلو سے اس سے مختلف ہے۔ مشابہت کا جو پہلو ہے وہ یہ ہے کہ:

مثال کے طور پر گیس سے چلنے والی مصنوعی یا صنعتی موٹر کے اندر حرارتی طاقت ہے، جو کہ موٹری کی حرکت کے دوران شعلہ اور پٹرول سے پیدا ہوتی ہے۔ اس حرارتی طاقت سے ہوا کا دباؤ پیدا ہوتا ہے۔ یہ دباؤ انجن کو دھکیلتا ہے، جس سے موٹری حرکت پیدا ہوتی ہے اور دوسرے پرزوں کو بھی متحرک کرتی ہے اور اس سے وہ آلہ مشین وغیرہ چلتی ہے۔ اس لئے یہ شعلہ، پٹرول اور موٹری حرکت ہی اصل چیزیں ہیں کیونکہ انہی کی حرارتی طاقت کی پیدائش کے نتیجے میں دباؤ پیدا ہوتا ہے، یہی دباؤ دوسرے پرزوں کو حرکت میں لاتا ہے یوں موٹر چل پڑتی ہے۔ جب اس موٹر کی حرکت بند ہوجائے گی تو دوسرے تمام پرزے بھی رک جائیں گے۔ اس لئے اس شعلے کا وجود، پٹرول اور موٹری حرکت کا وجود انتہائی ضروری ہے تاکہ موٹر گھومتی رہے اور پورا آلہ چلتا رہے۔ حزب کی قیادت (حزب کا پہلا حلقہ) بھی بالکل اس طرح ہے کیونکہ اس میں فکر گویا کہ شعلہ ہے اور قیادت میں بیدار اشخاص پٹرول کی طرح ہیں اور وہ انسان جس کا احساس فکر سے متاثر ہوتا ہے وہ اس موٹری حرکت کی طرح ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب انسان کے اندر فکر احساس سے مل جاتا ہے تو حرارتی طاقت وجود میں آتی ہے پھر یہ حرارتی طاقت قیادت کو متحرک کرتی ہے۔ قیادت کی اس حرکت سے متأثر ہو کر حزب کے تمام اجزا یعنی افراد، حلقات، علاقائی انتظامیہ وغیرہ سب ایک مشین کی طرح متحرک ہوجاتے ہیں۔ یہاں سے حزب کی رفتار میں تحریک پیدا ہوتی ہے، اس لئے حزب اپنی تشکیل کے حوالے سے بڑھتی چلی جاتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ حزب کی قیادت کی جانب سے حزب کے تمام اجزا کے لئے

حرارتی طاقت برابر پیدا ہوتی رہے تا کہ وہ چلتی رہے' جس طرح مشین کو چلنے کے لئے موٹری حرکت کی ضرورت ہے۔ یہ وہ مشابہت ہے جو ایک صنعتی موٹر اور حزب کی قیادت کے درمیان ہے۔ اس لئے یہ بات انتہائی ضروری ہے کہ حزب کی قیادت اس پہلو کا لحاظ رکھے اور حزب کے باقی اجزا کے ساتھ اپنی حرکت اور اتصال برقرار رکھے' تا کہ قیادت کی حرارت سب پر اثر انداز ہو۔ جب وہ کئی بار اتصال قائم کرنے کے بعد یہ مشاہدہ کریں کہ باقی اعضاء اور انتظامیہ صرف اسی وقت متحرک ہوتے ہیں جب ان کو حرکت دی جائے تو اس بات سے قیادت کو مایوس نہیں ہونا چاہیے' بلکہ ان کو سمجھنا چاہیے کہ یہ ایک طبعی بات ہے' کیونکہ مشین صرف اس وقت چلتی ہے جب موٹر چلے اور اس سے حرارت پیدا ہو۔

ہاں قیادت (حزب کا پہلا حلقہ) کی حرکت حزب پر اس طرح اثر انداز نہیں ہوتی جس طرح ایک صنعتی موٹر کی حرکت موٹر کے باقی اجزا کو متحرک کرتی ہے بلکہ یہ صرف ابتدا میں ہوتی ہے' جب حزب چل پڑتی ہے تو اس طرح نہیں ہوتا۔ دوسرے پہلو سے قیادت (حزب کا حلقہ اولیٰ) صنعتی موٹر سے مختلف ہے۔ صنعتی موٹر مشین کو ہمیشہ حرکت میں رکھتی ہے' جبکہ قیادت کوئی صنعتی موٹر نہیں بلکہ اجتماعی موٹر ہے حزب کے اراکین' اس کے حلقات اور اس کے مقامی ڈھانچے انسانوں پر مشتمل ہیں نہ کہ لوہے پر' ان کے اندر زندگی ہے اور وہ قیادت کی حرارت سے متاثر ہوتے ہیں' یعنی اس مبدا کی حرارت سے متاثر ہوتے ہیں جو قیادت (حلقہ اولیٰ) کے اندر موجود ہے۔ اس لئے وہ فکر کو سمجھنے اور حزبی قیادت کی حرارت سے منسلک ہونے کے بعد اس موٹر کا ایک جز بن جاتے ہیں۔ اسی وقت صرف قیادت کی حرکت حرارتی طاقت کی وجہ سے طبعی طور پر پورے حزب میں حرکت پیدا کرتی ہے' کیونکہ حزب ایک اجتماعی موٹر ہے اور ایک ہی فکر ہے جو تمام حزب میں پائی جاتی ہے۔ اس لئے صرف قیادت ہی ایسی نہیں کہ اس میں موٹری حرکت ہے۔ چونکہ حزب کی نشونما اور مکمل تشکیل سے پورے حزب کے اندر یہ موٹری

حرکت موجود ہوتی ہے۔ چنانچہ حزب اپنی رفتار میں قیادت کی جانب سے حرکت دلانے یا حرارت پیدا کرنے کی محتاج نہیں' بلکہ حزب کے اراکین کے اندر مبدا گردش کرے تو اس کے حلقات اور مقامی ڈھانچے خود بخود چلتے رہتے ہیں۔ اس میں قیادت کی طرف سے حرکت دلانے کی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ ہر جز کی حرارت اسی جز کے کل سے پیدا ہوتی ہے' یہ کل فکر پورے حزب کے اندر موجود ہے اور ان اجزا کے ساتھ طبعی طور پر بالکل ملا ہوا ہے۔

۹۔ ایک مبدائی حزب تین مراحل سے گزر کر معاشرے پر اپنے مبدا کو نافذ کرتی ہے۔ پہلا مرحلہ: حزبی ثقافت پیدا کرنے کے لئے تدریس وتعلیم کا مرحلہ۔

دوسرا مرحلہ: جس معاشرے میں وہ ہے اس معاشرے کے ساتھ تفاعل کا مرحلہ' تاکہ مبداء کو بیداری سے پیدا ہونے والا ایک عرف عام کی حیثیت حاصل ہوجائے' پورا معاشرہ اس کو اپنا مبداء سمجھے اور اس کا دفاع کرے۔ اس مرحلے میں امت اور ان لوگوں کے درمیان کشمکش شروع ہوتی ہے جو اس مبداء کے نفاذ کی راہ میں روکاوٹ بن جاتے ہیں۔ یہ استعمار یا استعمار کی طرف سے حکمران ٹولہ یا وہ لوگ جو اندھیرے میں رہنا پسند کرتے ہیں یا اجنبی ثقافت کے رنگ میں رنگے ہوے لوگ ہوتے ہیں لیکن اس وقت امت اس مبداء کو اپنا مبداء اور حزب کو اپنا قائد سمجھتی ہے۔

تیسرا مرحلہ: امت کے ذریعے مکمل طور پر حکومت کے باگ ڈور پر قبضہ کرنے کا مرحلہ۔ تاکہ مبداء کو امت پر نافذ کرنے کے لئے حکومت کو طریقہ کے طور پر اختیار کیا جائے۔ اس مرحلہ سے حزب کارزار حیات میں عملی طور پر داخل ہوتی ہے اور مبداء کا دعوتی پہلو ریاست اور حزب کا اصلی کام ہوتا ہے جب کہ مبداء وہ پیغام ہے جس کے ریاست اور امت علمبردار ہیں۔

۱۰۔ پہلا مرحلہ تاسیسی مرحلہ ہوتا ہے' اس مرحلہ میں امت کے تمام افراد کو ثقافت سے بالکل خالی سمجھا جائے گا' حزبی (ثقافت) کے ذریعے جو ان میں سے حزب کے

آراکین بننا چاہتے ہوں ان کی تربیت کی جائے گی اور پورے معاشرے کو حزب کا مدرسہ سمجھا جائے گا' تا کہ کم سے کم وقت میں حزب ایک ایسا گروہ تیار کر سکے جو تفاعل کے لئے معاشرے کے ساتھ ملنے پر قادر ہو۔

ہاں یہ بات سمجھنی چاہیے کہ یہ تربیت (تثقیف) تعلیم نہیں' یہ مدرسہ سے بالکل مختلف ہے' اس لئے حلقات میں ثقافت اس طرح دینی چاہیے کہ مبداء ہی معلم ہے اور جو علم و ثقافت حاصل کی جارہی ہے وہ صرف مبداء تک محدود ہے' اس طرح یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ یہ ثقافت زندگی کے میدان میں عملی طور پر داخل ہونے کے لئے حاصل کی جارہی ہے۔

اس لئے ضروری ہے کہ یہ ثقافت عملی ہو یعنی زندگی میں اس پر عمل کرنے کے لئے اس کو حاصل کیا جارہا ہے' چنانچہ یہ بات بالکل ذہن سے نکال دینی چاہیے کہ یہ ثقافت علمی پہلو سے ہے تا کہ حزبی ثقافت مدرسہ کی طرح علمی ثقافت ہو کر نہ رہ جائے۔

۱۱۔ حزب وہ گروہ ہے جو ایک فکر اور طریقہ پر قائم ہے یعنی اس مبداء پر جس پر حزب کے افراد ایمان رکھتے ہیں۔ یہ گروہ معاشرے کی فکر اور احساس کی نگرانی کرے گا تا کہ وہ اس کی سرگرمیوں میں شریک ہو۔ یوں یہ معاشرے کو فکر اور احساس کی لحاظ سے انحطاط کے شکار ہونے سے روکتا ہے۔ حزب امت کا وہ مدرسہ ہے جو امت کی تربیت کرتی ہے اور اس کو کارزار حیات میں عملی طور پر کام کرنے کے لئے امادہ کرتی ہے۔ یہی وہ حقیقی مدرسہ ہے۔ مدارس خوا کتنے ہی مختلف کثیر تعداد میں کیوں نہ ہو اور کتنے ہی اچھے کیوں نہ ہو لیکن اس بات کو سمجھنا انتہائی ضروری ہے کہ مدرسہ اور حزب میں بڑا فرق ہے۔ یہ فرق ان نکات سے واضح ہوتا:

(ا) مدرسہ خواہ اس کا پروگرام کتنا ہی صحیح کیوں نہ ہو وہ امت کی نشاۃ ثانیہ کا ضامن نہیں ہوسکتا۔ جب تک معاشرے کے اندر ایک ایسی حزب موجود نہ ہو جو معاشرے کے لئے مدرسہ کی حیثیت رکھتی ہو' کیونکہ مدرسہ کتنا ہی آزاد کیوں نہ ہو وہ

ایک مخصوص نظام کے ماتحت ہوتا ہے' اس کی ایک خاص شکل اور خاص صفت ہوتی ہے'اس کے اندر طبعی طور پر حالات کے ساتھ بدلنے کی قدرت نہیں ہوتی۔اگر وہ اس کا اردہ بھی کرے تو اس کے لئے ایک پیچیدہ عمل اور کچھ خاص وقت کی ضرورت ہوتی ہے تب جا کر وہ اس کیفیت کو پیدا کر سکتا ہے۔ مدسے کی تیاری ہی ایک مخصوص اور پائیدار بنیاد پر ہوتی ہے وہ حالات کے ساتھ تبدیل نہیں ہوسکتا۔

(ب) حزب اگر ایک صحیح پروگرام پر قائم ہوتو اس کے اندر یہ باتیں ہوں گی:

۱۔ زندگی (بالیدگی) تا کہ اس کی نشونما جاری ہے۔

۲۔ ترقی' تا کہ وہ ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہو۔

۳۔ حرکت' تا کہ وہ معاشرے کے ہر گوشے اور ممالک کے ہر حصے کی طرف منتقل ہوسکے۔

۴۔ احساس' تا کہ معاشرے میں جو کچھ ہورہا ہے وہ اس کا احساس کر سکے اور اس پر اثر انداز ہوسکے۔

اس کی تیاری زندگی اور احساسات کی ترتیب کی شکل میں ہوتی ہے۔اس لئے اس میں دائمی ترقی اور مسلسل تبدیلی ہوتی ہے'وہ کسی لگے بندھے طریقے پر نہیں چلتی' کیونکہ اس کو تو زندگی اور اس کے مظاہر کے ساتھ چلنا پڑتا ہے تا کہ زندگی کو اپنے ایمانی ماحول میں ڈھال سکے اور موجودہ حالات کو بدل کر اپنے مبداء کے مطابق بنا سکے۔

ج۔ مدرسہ ایک فرد کی تربیت'تعلیم اور تہذیب اس کے ایک متعین فرد ہونے کی حیثیت سے کرتا ہے۔اگر چہ مدرسہ بھی اپنی ذات کے اعتبار سے ایک چھوٹی سی جماعت ہوتی ہے مگر تعلیمی پہلو کے لحاظ سے وہ انفرادی نوعیت کا ہے۔اس وجہ سے اس کے نتائج بھی انفرادی ہونگے اجتماعی نہیں۔اگر ہم فرض کر لیں کہ ایک شہر ہے جس کے باشندوں کی تعداد دس ہزار ہے اور اس شہر میں کچھ مدارس ہیں جہاں ایک ہزار طلبا ہیں' وہ مدارس

اس شہر میں کوئی اجتماعی نشاۃِ ثانیہ پیدا نہیں کر سکتے۔

د۔ حزب افراد کو قطع نظر کرتے ہوئے اجتماعی طور پر معاشرے کی تربیت اور تثقیف کرتی ہے وہ کبھی بھی افرد کی طرف ان کے خاص افراد ہونے کی حیثیت سے نہیں دیکھتی' بلکہ ان کو اس نظر سے دیکھتی ہے کہ وہ جماعت کے اجزاء ہیں' وہ ان کی ایسی تربیت کرتی ہے کہ وہ جماعت کا جز بن جائیں نہ کہ کوئی خاص فرد۔ یہی وجہ ہے کہ حزب کے نتائج اجتماعی ہوتے ہیں انفرادی نہیں۔ پس اگر ہم فرض کر لیں کہ کسی علاقے کے باشندوں کی تعداد دس لاکھ ہے کہ وہاں حزب کے اراکین کی تعداد ایک سو ہے تو حزب اپنے ان سو افراد کے ذریعے وہاں وہ بیداری پیدا کرتی ہے جس کے پیدا کرنے سے مدرسہ عاجز ہے خواہ مدرسہ اس کے لیے کتنی بھی جدوجہد کرے اور کتنا ہی وقت گزارے اور وہاں سے کتنے طلبا فارغ التحصیل ہو رہے ہوں۔

(ذ) مدرسے کے قیام کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ ایسا فرد تیار کرے جو معاشرے پر اثر انداز ہو جس معاشرے میں وہ فرد زندگی گزارتا ہے حالانکہ وہ فرد اس معاشرے پر صرف جزوی طور پر اثر انداز ہوتا ہے کیونکہ فکر کو بیدار کرنے کے لیے اس کے ہاں شعور بھی جزوی اور ضعیف الاثر ہے۔

(ر) حزب جماعت اور عوام کو تیار کرتی ہے تاکہ وہ فرد پر اثر انداز ہوں۔ یہ حزب ہی فرد پر مکمل طور پر اثر انداز ہو سکتی ہے' کیونکہ اس کا شعور بھی مضبوط اور بیداری پیدا کرنے والا ہوتا ہے' جو کہ فکر کو بیدار کرنے پر قادر ہوتا ہے۔ اس لیے افراد پر اس کا اثر قوی ہوتا ہے۔ یہ ان افراد میں کم محنت اور کم مدت میں نشاۃ ثانیہ پیدا کر دیتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جو چیز فکر کو بیدار کرتی ہے وہ شعور ہے اور ان دونوں کے تفاعل سے نشاۃِ ثانیہ کی تحریک پیدا ہوتی ہے۔

حزب اور مدرسے میں جو فرق ہے اس کا خلاصہ ان تین نکات میں ہے:

(1) مدرسہ ایک ضابطہ کا پابند اور نئے حالات کے مطابق اپنے آپ کو ڈھالنے پر

قادر نہیں ہوتا ۔ جب کہ اس وقت حزب ترقی کرتی رہتی ہے اور لگی بندھی نہیں ' اس طرح وہ اپنی ایمانی فضا سے زندگی بدل دیتی ہے ۔

(2) مدرسہ جماعت میں سے فرد کی تربیت کرتا ہے اس لیے اس کے نتائج بھی انفرادی ہوتے ہیں' جبکہ حزب جماعت کی تربیت کرتی ہے تاکہ وہ افراد پر اثر انداز ہو سکے اس لیے اسکے نتائج بھی اجتماعی ہوتے ہیں ۔

(3) مدرسہ فرد میں اس لیے جزوی شعور پیدا کرتا ہے تاکہ وہ جماعت کے جذبات کو متاثر کرے لیکن وہ اس کو متاثر نہیں کرسکتا ۔ وہ اس کے فکر کو بیدار کرنے سے عاجز ہوتا ہے' جبکہ حزب جماعت کے اندر مکمل شعور پیدا کرتی ہے تاکہ وہ افراد کے جذبات کو متاثر کرے چنانچہ وہ افراد کو متاثر کرسکتی ہے اور وہ ان افراد کے افکار کو مکمل طور پر بیدار کرتی ہے ۔

۱۲۔ اس مرحلے میں ہمیشہ اس بات کا ادراک ہونا چاہیے کہ معاشرہ پورا کا پورا حزب کا ایک بڑا مدرسہ ہے' ساتھ ساتھ اس بڑے فرق کو بھی مدنظر رکھنا چاہیے جو مدرسہ اور حزب کے ثقافتی حلقات کے مابین ہے ۔

جہاں تک اس بات کے ادراک کا تعلق ہے کہ پورا معاشرہ حزب کا ایک بڑا مدرسہ ہے تو یہ اس لیے کہ اس عرصے میں حزب کا کام معاشرے میں سچے عقائد اور صحیح مفاہیم کو پیدا کرنا ہے' یہ مقصد مدرسے کے عمل کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا۔ حزب کا مبدا ہی معلم ہوگا اس کی ثقافت ہی وہ مضمون ہوگا جو پڑھایا جائیگا۔ یہ مبدا اور یہ ثقافت ان لوگوں میں نمایاں ہونگے جن میں یہ مبدا عملی شکل میں ہو۔ یہی لوگ براہ راست معاشرے کے استاد ہوں گے اور مقامی انتظامیہ اور حزب کے حلقات اس کی صف ہوں گے' یوں پورا معاشرہ مدرسہ ہوگا ۔ مدرسے کے اس عمل کا ان لوگوں سے جو کہ حزب کے اراکین ہیں اور حزب کے مفاہیم کی تبنی کرتے ہیں' یہ تقاضا ہے کہ وہ باریک بینی اور صحیح فہم کے ساتھ تدریس کریں' حزب کی ثقافت کو ہر وقت یاد اور حزب کے دستور

کو محفوظ کریں‘اس طرح ان احکامات اور عام قواعد کو بھی مدنظر رکھیں جن کی حزب نے تبنی کی ہے۔اس لئے مدرسے کے طرز کی تدریس بہت ضروری ہے۔اس وجہ سے ہر اس شخص کے ساتھ جو حزب میں داخل ہوتا ہے اس پہلو کا لحاظ رکھنا انتہائی ضروری ہے قطع نظر اس کے کہ وہ پہلے یونیورسٹی کی سطح تک پڑھا ہو یا ابتدائی سطح تک یا اس میں پڑھنے کی صلاحیت ہو۔کسی بھی فرد کے ساتھ اس ثقافت کے بارے میں سستی برتنے سے وہ فرد حزب کے دائرے سے باہر رہے گا‘ اگرچہ وہ حزب سے منسلک ہی کیوں نہ ہو‘بعض دفعہ اس سے عام ڈھانچے کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔

اس طرح اس مرحلے میں اس وقت تک جب کہ حزب کے پاس اس ثقافت سے مزین افراد نہ ہوں ہرگز کام شروع نہ کیا جائے گا‘اس لئے یہ مرحلہ صرف ثقافت کا مرحلہ ہے۔

اس بات کا ادراک بھی ضروری ہے کہ ثقافت کے لحاظ سے مدرسہ اور حزب میں بڑا فرق ہے تاکہ کہیں حزب کی ثقافت مدرسے کی ثقافت کی طرح ہوکر نہ رہ جائے اور اپنی فعالیت کھو نہ بیٹھے۔اس لئے حزب میں شامل ہونے والے افراد کو اس حزبی ثقافت کے عِلمی پہلو سے بہت دور رکھا جائے اور اس بات کا لحاظ رکھا جائے کہ حزبی ثقافت کا مقصد مفاہیم کو تبدیل کرنا‘ زندگی کے میدان میں اس پر عمل کرنا ہے اور امت میں فکری قیادت پیدا کرنا ہے۔ان افراد کے لئے اس ثقافت کے صرف عِلمی پہلو کو اختیار کرنا جائز نہیں۔اگر ان کو عِلمی پہلو ہی کی ضرورت ہے تو اس کی جگہ مدرسہ ہے نہ کہ حزب۔اس ثقافت کی عِلمی پہلو کی طرف توجہ دینا خطرناک بات ہے کیونکہ یہ چیز عمل کی خاصیت کو سلب کرتی ہے اور دوسرے مرحلے کی طرف منتقل ہونے میں تاخیر کا سبب بنتی ہے۔

۱۳۔ دوسرا مرحلہ امت کے ساتھ تفاعل کا مرحلہ ہے‘یہی جدوجہد کا مرحلہ ہے۔یہ مرحلہ انتہائی دقت نظر کا محتاج ہے اس مرحلے کی کامیابی حزب کی کامیاب بناوٹ کی

دلیل ہے۔اس مرحلے میں ناکامی کا مطلب یہ ہے کہ حزب میں کوئی خلل ہے جس کی اصلاح انتہائی ضروری ہے۔ یہ مرحلہ ماقبل والے مرحلے پر مبنی ہوتا ہے۔اس پہلے مرحلے میں کامیابی دوسرے مرحلے کی کامیابی کے لئے بنیادی شرط ہے۔ہاں! پہلے مرحلے میں صرف ثقافتی لحاظ سے کامیابی اس مرحلے میں کامیابی کے لئے کافی نہیں؛ بلکہ یہ ثقافتی کامیابی لوگوں میں معروف ہو یعنی لوگوں کو معلوم ہو کہ یہاں دعوت ہو رہی ہے؛ اور فلاں رکن اس دعوت کا علمبردار ہے۔اس طرح حلقات میں ثقافتی بناوٹ کے دوران اجتماعی روح کی بھی تکوین ضروری ہے۔اراکین کو اس معاشرے میں گھل مل کر رہنا چاہیے جس میں وہ زندگی گزارتے ہیں اور ان کو اس معاشرے پر اثر انداز ہونے کی کوشش کرنی چاہیے؛ تاکہ جب وہ دوسرے مرحلے میں داخل ہوں تو اجتماعی استعداد موجود ہو۔اس سے امت کے ساتھ تفاعل ان کے لئے آسان ہوگا۔

۱۴۔ حزب کا رکن ثقافتی دور سے تفاعلی دور کی طرف اس وقت تک منتقل نہیں ہوسکتا ہے جب تک وہ ثقافت میں خوب پختہ نہ ہو اس کی شخصیت اسلامی ہو اور اس کی نفسیہ اس کی عقلیہ کے ساتھ ہم آہنگ ہو۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (**لاَ یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّیٰ یَکُوْ نَ هَوَاهُ تَبْعاً لِمَ جِئْتُ بِهِ**) ''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک اس کی خواہشات اس کے (شریعت) تابع نہ جو میں لے کر آیا ہو'' اس طرح اس کے بارے میں لوگوں کو معلوم ہو کہ وہ اسلامی دعوت کا علمبردار ہے۔حلقات میں ہونے اور معاشرے کے ساتھ رہنے کی وجہ سے اس کے اندر اجتماعی میلانات اس قدر مضبوط اور واضح ہوں کہ گوشہ نشینی کا تصور اس کے اندر سے بالکل ختم ہوجائے۔کیونکہ گوشہ نشینی بزدلی اور ناامیدی سے مرکب ہے؛ اس لئے افراد اور معاشرے سے اس تصور کو ختم کرنا انتہائی ضروری ہے۔

۱۵۔ یقیناً حزب ثقافتی دور سے تفاعلی دور کی طرف اس طرح طبعی طور پر منتقل ہوتی ہے کہ اگر وہ مناسب وقت سے پہلے ہی منتقل ہونے کا ارادہ کرے تو منتقل نہیں ہوسکتی۔

یہ اس وجہ سے کہ ثقافتی دور میں نقطۂ ابتدا اس وقت مکمل ہوتا ہے جب ثقافت سے مبدا افراد کے اندر عملی صورت میں نمایاں ہو' اس طرح یہ ثقافت معاشرے کو ایسا بنا دیتی ہے کہ وہ دعوت اور مبدا کو مکمل طور پر محسوس کرنے لگتا ہے۔ جب اشخاص میں مبدا اس طرح عملی شکل میں نمایاں ہوتا ہے یعنی ان کے اندر یہ مبدا پختہ ہو جاتا ہے اور ساتھ ساتھ معاشرے میں مبدا کا پورا احساس ہوتا ہے' تب دعوت نقطۂ ابتدا کو عبور کر چکی ہوتی ہے اب اس کا نقطۂ انطلاق کی طرف منتقل ہونا ضروری ہوتا ہے۔ جب حزب نقطۂ انطلاق میں چلنا شروع کرے تب امت کو مخاطب کرنا بھی ضروری ہوتا ہے۔ امت کو مخاطب کرنے کی ابتدا میں ضروری ہے کہ پہلے امت کو اپنا مخاطب بنانے کی کوشش کرے یہاں تک کہ جب وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب ہوجائے تب اس کو براہ راست مخاطب کرنے کی کوشش کرے گی۔ امت کو مخاطب بنانے کی کوشش صرف حلقات میں ٹھوس ثقافت' ہر جگہ لوگوں کی اجتماعی تربیت (تثقیف)' استعمار کے منصوبوں کو بے نقاب کرنے اور امت کے مفادات کی تبنی سے ہوگی۔ حزب جب ان چار چیزوں میں کامیاب ہونے کے قابل ہو تب امت کو مخاطب کرنے کی کوشش کرے گی' یوں طبعی طور پر نقطۂ انطلاق کی طرف منتقل ہوگی۔ حزب کا نقطۂ انطلاق کی طرف یہ انتقال ہی اس کو طبعی طور پر پہلے مرحلے یعنی ثقافتی مرحلے سے دوسرے مرحلے یعنی تفاعلی مرحلے کی طرف منتقل کرتا ہے اور اسی وقت طبعی طور پر امت کے ساتھ تفاعل بھی شروع ہوتا ہے۔

۱۶۔ اپنے مقصد میں کامیابی کے لئے امت کے ساتھ یہ تفاعل حزب کے لئے انتہائی ضروری ہے' کیونکہ امت کے اندر حزب کے اراکین کی تعداد چاہے کتنی ہی زیادہ ہو اگر وہ امت کے ساتھ تفاعل نہ کریں تو خواہ کتنے ہی مضبوط ہوں امت کے ساتھ تفاعل کے بغیر خود کچھ نہیں کر سکتے۔ امت کے ساتھ تفاعل کے اور اس تفاعل میں کامیابی کے بغیر وہ امت کو اپنے ساتھ کام کے لئے آگے بڑھا سکتے ہیں نہ ہی امت

ان کے ساتھ چلے گی۔ امت کے ساتھ تفاعل کا مطلب یہ نہیں کہ وہ تمام لوگوں کو اپنے اردگرد جمع کریں بلکہ تفاعل کا مطلب یہ ہے کہ حزب کا مبداء امت کو سمجھایا جائے تاکہ یہ امت کا بھی مبدا بن جائے کیونکہ اصل چیز مبدا ہے۔ یہ مبدا ''اسلام'' ہے جو کہ امت میں ثقافتی تاریخی میراث کے طور پر اور اس کے حقیقی شعور میں موجود ہے۔ جب امت کے احساسات فکر میں تبدیل ہوتے ہیں تو یہ فکر اس ممتاز گروہ میں صاف شفاف طور پر پیدا ہوتی ہے جس سے حزب بنتی ہے۔ ان احساسات کا قاعدہ (جو کہ ایک مقصد کے لیے فکر و عمل ہوتا ہے) مبدا کی حقیقی تعبیر ہے' اس کا مبداء (یعنی اسلام) امت کا اندرونی احساس ہے اور حزب اس احساس کی تعبیر ہے۔ پس اگر حزب اپنی تعبیر میں فصیح لغت میں واضح اور لہجہ میں سچی ہو تو امت جلد ہی اس مبدا کو سمجھ لے گی اور حزب کے ساتھ تفاعل کرے گی یوں پوری امت کو حزب سمجھا جائے گا۔ پھر یہ مخصوص گروہ حزبی تکتل کے ذریعے تحریک کی قیادت کا علمبردار بنے گا' یہ تحریک جس کو امت لے کر حزب کی قیادت میں تیسرے مرحلے کی طرف بڑھے گی جو کہ مبداء کو نافذ کرنے کا انقلابی طریقہ ہے یعنی حکومت کے ذریعے جو اس حزبی گروہ کی نگرانی میں ہوگی مبدا کو مکمل طور پر نافذ کرنے کے مرحلے کی طرف چل پڑے گی۔ حزبی گروہ یہ سمجھے گا کہ فکر کو نافذ کرنے کا یہی واحد طریقہ ہے یعنی یہ مبدا کا جز ہے۔

ہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اس تفاعل کے دوران بڑی بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا اس لیے ان مشکلات پر قابو پانے کے لیے انکی طبیعت کو سمجھنا لازمی ہے یہ مشکلات بہت ساری ہیں تاہم ان میں سے اہم ترین یہ ہیں۔

(ا) معاشرے میں نافذ موجودہ نظام کے ساتھ مبدا کا تصادم۔

یقیناً حزب کا مبدا موجودہ معاشرے کی نسبت زندگی کے لے ایک نیا نظام ہے۔ یہ اس نظام سے متصادم ہے جو معاشرے پر نافذ ہے اور جس کے ذریعے حکمران ٹولہ لوگوں پر حکومت کرتا ہے چونکہ یہ حکمران ٹولہ اس مبدا کے اندر اپنے اور اپنے

ڈھانچے کے لیے خطرہ محسوس کرتا ہے چنانچہ وہ ضرور مختلف وسائل سے اس کے سامنے رکاوٹ ڈالے گا' اس کے خلاف پراپیگنڈہ کرے گا ' دعوت کے حاملین کو جلا وطن کرے گا اور مادی وسائل استعمال کرے گا۔ اس لیے دعوت کے ذریعے امت کے ساتھ تعاقل کرنے والے مبدا کے حاملین کو چاہیے کہ حسب استطاعت مصائب سے اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کریں اور ان گمراہ کن افواہوں کا مقابلہ اپنی دعوت کی تشریح سے کریں اور راستے میں ہر مشقت کو برداشت کریں۔

(ب) ان مشکلات میں سے ایک ثقافت کا اختلاف ہے:

معاشرے میں مختلف قسم کی ثقافتیں موجود ہیں اور امت میں جدا جدا افکار موجود ہیں لیکن دونوں کے احساسات ایک ہی ہیں۔ معاشرے میں کئی ثقافتیں موجود ہیں ''خصوصا استعماری ثقافتیں۔'' یہ ثقافتیں ان احساسات کے برعکس ہیں جبکہ مبدا کی ثقافت یعنی اسلامی ثقافت امت کے احساسات کی سچی تعبیر ہے یہ الگ بات ہے کہ معاشرے میں اجنبی ثقافتی رائے عامہ ہے اور مدارس' اداروں اور تمام ثقافتی جگہوں میں نصاب اجنبی ثقافت پر مبنی ہے۔اس طرح تمام سیاسی اور ثقافتی تحریکات بھی اجنبی سیاست کے ساتھ چل رہی ہیں۔یہی وجہ ہے کہ حزب کے لئے اپنی ثقافت میں دوسری ثقافتوں اور افکار کے ساتھ کشمکش کے مرحلے میں داخل ہونا انتہائی ضروری ہے تا کہ امت کے احساسات اور جذبات کی صحیح تعبیر سامنے آئے اور امت اس کے ساتھ چل پڑے۔اس لئے اس دور میں حزب کی ثقافت اور اس کے افکار کا دوسری ثقافتوں اور افکار کے ساتھ ٹکراؤ لازمی ہے۔چونکہ یہ تصادم ایک ہی امت کے فرزندوں کے درمیان ہے چنانچہ یہ کوئی سخت جنگ کا دور نہیں' بلکہ حزب کی جماعت اس دوران ٹیڑھے خط کے ساتھ سیدھا خط کھینچنے کا طریقہ اپنائے گی۔حزب ہرگز اس جنگ میں مطلقاً داخل نہیں ہو گی تا کہ کہیں وہ اس انانیت پر نہ اتر آئے جو حقیقت سے اندھا بہرہ کر دیتی ہے' بلکہ حزب اپنے افکار کی تشریح کرے گی اور دوسرے افکار کی کجی اور دوسری ثقافتوں

کے باطل ہونے اور ان کے خطرناک نتائج کو بے نقاب کرے گی۔اس وقت امت ان سے منہ موڑ کر حزب کی ثقافت اور اس کے افکار کی طرف متوجہ ہوگی' بلکہ جب اس ثقافت اور ان افکار کی کجی ظاہر ہوجائے گی تو ان کے وہ علمبردار بھی جو مخلص' بیدار اور باکردار ہیں ان کو چھوڑ کر حزب کی ثقافت کی طرف متوجہ ہونگے۔ہاں! حزب کا یہ کام انتہائی مشکل کام ہے۔اس لئے جہاں اجنبی ثقافت کم ہے وہاں امت کے ساتھ تفاعل آسان ہے اس کی بانسبت جہاں اجنبی ثقافت زیادہ ہے۔اس طرح جہاں اجنبی ثقافت میں رنگے ہوئے افراد کی تعداد کم ہو وہاں اس جگہ کے مقابلے میں جہاں اجنبی ثقافت کے علمبرداروں کی تعداد زیادہ ہو' نشاۃِ ثانیہ آسان ہے۔حزب کو اس جماعت کے بارے میں زیادہ احساس ہونی چاہیے جو اس کے ساتھ تفاعل کر رہی ہے تاکہ اس کے ساتھ مناسب طریقے سے آگے بڑھا جائے۔

(ج) ان مشکلات میں سے ایک امت کے اندر حقیقت پسندوں (حالات سے مفاہمت کرنے والوں) کا ہونا بھی ہے۔یہ اس طرح کے اجنبی ثقافت' اجنبی زہرالودگی اور جہالت سے امت میں دو ایسے گروہ ہیں جو حقیقت پسندی کی نمائندگی کرتے ہیں۔

پہلا گروہ وہ حقیقت پسند گروہ ہے جو حقیقت (حالات) سے ساز باز کرنے حقیقت پر راضی رہنے اور اس کو اس طرح تسلیم کرنے کی دعوت دیتا ہے کہ گویا یہ فیصلہ کن بات ہے کیونکہ یہ گروہ حقیقت کو اپنی فکر کا منبع بناتا ہے اور اپنے مشکلات کا حل اسی سے لیتا ہے۔اس مشکل پر قابو پانے کا طریقہ یہ ہے کہ ان کے ساتھ گہری بحث کی جائے تاکہ ان کو معلوم ہوجائے کہ حقیقت کو تبدیل کرنے کے لئے اس کو موضوع بحث بنایا جائے اس طرح ممکن ہے کہ وہ اپنی فکر سے رجوع کریں۔

حقیقت پسندوں کا دوسرا گروہ ان ظلمت پرستوں کا ہے جو نور میں زندگی گزارنے سے بالکل انکار کرتے ہیں کیونکہ یہ ظلمتوں میں زندگی گزارنا پسند کرتے ہیں اور یہ پستی اور سطحیت کے عادی ہوچکے ہوتے ہیں۔ یہ جسمانی اور عقلی سستی کا شکار

ہوتے ہیں' یہ اپنے آباؤاجداد کے قدیم افکار وتصورات کے ساتھ صرف ان کے قدیم ہونے کی وجہ سے چمٹے ہوئے ہوتے ہیں'اس وجہ سے حقیقت میں یہی لوگ حقیقت پسند ہیں کیونکہ یہ حقیقت ہی کے جنس سے ہوتے ہیں۔ یہ لوگ فکری لحاظ سے سخت جمود کا شکار ہوتے ہیں' اس لیے ان کے ساتھ سخت محنت اور ثابت قدم رہنے کی ضرورت ہوتی ہے۔اس مشکل پر قابو پانے کا طریقہ ان کی تربیت اور ان کے مفاہیم کو صحیح کرنے کے لیے زبردست کوشش کرتی ہے۔

(د) دعوت کے راستے میں حائل ہونے والی رکاوٹوں میں سے ایک روکاوٹ لوگوں کا اپنے مفاد سے لگاؤ ہے' یہ اس طرح کہ انساں اپنے ذاتی مفادات' روزمرہ کے کاموں سے منسلک ہے اور عین اس وقت میں وہ مبدا سے بھی وابستہ ہے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ یہ مفادات مبدا کی طرف دعوت سے متصادم ہیں اس لیے ان دونوں کے درمیان موافقت پیدا کرنےَ کی کوشش کی جاتی ہے۔اس مشکل پر قابو پانے کا طریقہ یہ ہے کہ ہر اس شخص پر فرض ہے جو مبداء کا حامل ہے کہ وہ دعوت اور حزب کو اسی دائرے کا مرکز قرار دے جس کے گرد اس کے تمام ذاتی مفادات گردش کرتے ہیں۔اس لیے اس شخص کے لیے کسی ایسے کام میں مشغول ہونا جائز نہیں جو دعوت سے متناقض ہو دعو ت کو بھول جانے یا دعوت کے سامنے رکاوٹ کا سبب بنے' یوں دعوت اس کے مفادات کے گرد گردش کرنے کی بجائے اس کے مفادات دعوت کے محور کے گرد گھومیں۔

(ھ) دعوت کے راستے کی مشکلات میں سے ایک مشکل یہ بھی ہے کہ اسلام اور اس کی دعوت کے لئے دنیا کی زندگی میں مال وتجارت کی قربانی دینی پڑتی ہے اس مشکل پر اس طرح قابو پایا جا سکتا ہے کہ مومن کو اس بات کی یاددہانی کرائی جائے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت کے بدلے مومنون سے ان کی جان و مال خرید لی ہے۔ یہ یاددھانی کرانا کافی ہے پھر اس راستے میں قربانی دینے یا نہ دینے کا اختیار اس پر چھوڑ دیا جائے

اور اس کو مجبور نہ کیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب عبداللہ بن جحش کو مکہ اور طائف کے درمیان ایک جگہ نخلۃ میں قریش کے لیے گھات لگانے کی خاطر ایک سریہ کا امیر بنا کر بھیجا تو اس کو ایک تحریر میں یہ لکھا: (**ولا تکرھن احداً من اصحابک علی المسیر معک و امض لامری فیمن تبعک**) تم اپنے ساتھوں میں سے کسی کو بھی اپنے ساتھ چلنے پر مجبور نہ کرنا اور میرے حکم کی تعمیل صرف ان لوگوں سے کرانا جو تمہاری اتباع کریں۔

(و) بعض دفعہ معاشرے میں پایا جانے والا شہری اختلاف مشکل بن جاتا ہے وہ اس طرح کہ امت کے اندر بستیوں' اور دیہات کے حلقوں کے علاوہ شہری حلقے بھی ہوتے ہیں اور شہری زندگی دیہاتی زندگی سے بالکل مختلف ہوتی ہے۔ اس وجہ سے تمدنی اشکال کا یہ اختلاف حزب کو اس طرف اشارہ دے سکتا ہے کہ وہ تربیت یا مبدا کی طرف راہنمائی کا رجحاں مختلف کرے۔ یہ خطرناک ترین چیز ہے کیونکہ امت کے اندر تمدنی اشکال خواہ کتنے ہی مختلف ہوں پھر بھی وہ ایک ہی امت ہے' اس کا احساس بھی ایک ہے اور اس کا مبدا بھی ایک ہے۔ اس وجہ سے امت کے اندر دعوت بھی ایک ہی قسم کی ہو گی' اس میں شہر یا دیہات کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہوگا اور امت کے ساتھ تفاعل کا کام بھی ایک ہی ہوگا۔

۱۷۔ حزب کو اس مرحلے (امت کے ساتھ تفاعل کے مرحلے) میں دو قسم کے خطرات لاحق ہوتے ہیں' مبدائی خطرہ اور طبقاتی خطرہ۔

جہاں تک مبدائی خطرہ کا تعلق ہے یہ جماعتی رجحاں اور جماعت کی طرف سے عارضی مگر زور دار مطالبات کی وجہ سے ہے اس طرح یہ حزبی فکر کے خلاف جماعت میں موجود تعصّبات کے غلبہ کی بنا پر ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جب حزب معاشرے کے میدان زندگی میں کودتی ہے تو امت کے ساتھ تعامل اور امت کی قیادت لینے کے لیے جمہور کے ساتھ تعلقات قائم کرتی ہے تب حزب اپنے مبدا سے مصلح ہوتی ہے جب

جمہور کے اندر رجعت پسندانہ قدیم افکار' گزشتہ نسلوں کی مورثی چیزیں' خطرناک اجنبی افکار اور کافر استعمار کی تقلید جیسی متناقض باتیں جمع ہوتی ہیں۔ پس جب حزب جمہور کے ساتھ تفاعل شروع کرتی ہے تب وہ جمہور کو اپنے آراء وافکار سے مسلح کرتی ہے' وہ حزب کے مفاہیم کے ذریعے جمہور کے مفاہیم کو درست کرتی ہے' ان میں اسلامی عقیدہ پیدا کرتی ہے' سچی فضا اور صحیح عرف عام پیدا کرتی ہے۔ اس کے لیے دعوت اور نشرو اشاعت کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ امت مبدا کی اساس پر اس کے گرد جمع ہو جائے' امت کے اندر مبداء پر مضبوط ایمان پیدا ہوجائے اور امت کے اندر حزب کے مفاہیم پر بھروسہ' حزب کا احترام وقدر پیدا ہوجائے اور امت اطاعت وعمل کے لیے تیار ہوجائے اس وقت حزب کے لیے ضروری ہے کہ وہ امت کے اندر قابل اعتماد مومن لوگوں اور شباب کی کثیر تعداد پیدا کرے تاکہ وہ امت کا باگ دوڑ ایسا سنبھال لے جیسا کہ فوج میں ہوتا ہے۔ حزب جب تفاعل کے اس مرحلے میں کامیاب ہوجائے تو وہ مبدا کے حدود میں رہتے ہوئے اپنے مقصد کے لیے امت کی قیادت کرے گی اور خط مستقیم سے ہٹ جانے کے خطرے سے محفوظ سمجھے گی۔

لیکن حزب جمہور کے ساتھ تعافل اور امت کے اندر عام بیداری پیدا کرنے سے قبل اگر جمہور کی قیادت شروع کرے تب یہ قیادت مبدا کے احکام وافکار کے مطابق نہیں ہوگی بلکہ یہاں امت کے اندر جوش مارنے والے جذبات کو متعین کرنے' اس کے جذبات کو بھڑکانے اور اس کے قریب الحصول مطالبات کو منظر عام پر لانے کی صورت میں ہوگی۔ یوں حزب جمہور کے جذبات کو بھڑکانے اور اس کے قریب ترین مطالبات کو پورا کرنے کے لئے اس کو وہ پرانی شراب پلائے گی جو بہت ہی تیزی سے اثر کرنے والی ہے' اس کو یہ شراب بار بار پلائی جائے گی تاکہ جمہور اس کے فرمانبردار بن جائیں اور حزب ان کو اجتماعی طور پر ہانکانا شروع کرے' اس وقت جمہور حزب کے ساتھ عقل اور بیداری کے نتیجے میں نہیں بلکہ جذبات کی وجہ سے چلیں گے اور حزب کے

اراکیں امت میں سے جمہور کے قائد بن جائیں گے۔

مگر ان حالات میں جمہور کے اندر سے پہلے والے احساسات جیسے وطنیت، قومیت اور روحانیت، ختم نہیں ہونگے، بلکہ اجتماعی حالات ان کو پھر بھڑکانے کا سبب بنیں گے۔اس لئے ان کے اندر پھر سے بیکار قسم کے تصورات فرقہ واریت،مذہبیت،پرانے افکار جیسے حریت اور آزادی،غلط قسم کے نعرے جیسے نسل پرستی،خاندان پرستی پھر ظاہر ہوں گے یوں جمہور اور عوام کے درمیان پر تصادم ہوگا، کیونکہ ان حالات میں حزب کے کچھ ایسے مقاصد ہونگے جو مبداء کے ساتھ متصل نہیں اور یہ ایسے عارضی مقاصد کے حصول کی دعوت ہوگی جو کہ امت کے لئے نقصاندہ ہے۔ان حالات میں اس قسم کے مطالبات کو پورا کرنے کے لئے امت کے اندر جوش ہوگا اور ان کے حصول کے لئے اس کی ہیجانی کیفیت بڑھ جائے گی جس کی وجہ سے کئی قسم کے نعرے سر اٹھائیں گے۔اس صورت حال میں حزب کے موقف کو دو قسم کی آگ کا سامنا کرنا پڑے گا:ایک یہ کہ حزب کو امت کے غضب اور انتقام کا نشانہ بننا پڑے گا اور حزب نے امت پر جو غلبہ حاصل کیا ہوگا وہ ختم ہو جائے گا۔دوسری آگ یہ کہ اپنے مبدا سے روگردانی اور اس کے بارے میں سستی کا مظاہرہ کرے گی تو یہ دونوں باتیں خطرناک ہیں۔اس لیے حزب کے افراد کو چاہیے کہ جب بھی جمہور اور مبدا کے درمیاں تعارض پیدا ہو تو وہ مبدا ہی کو تھام لیں خواہ ان کو اسی صورت میں امت کے انتقام کا نشانہ کیوں نہ بننا پڑے، کیونکہ یہ انتقام وقتی ہوتا ہے۔جبکہ مبدا پر جمے رہنے سے ان پر امت کا اعتماد دوبارہ بحال ہوگا۔انہیں مبدا کی مخالفت اور مبدا کے جوہر سے بال برابر بھی انحراف سے بچنا چاہیے ، کیونکہ مبدا ہی حزب کی زندگی ہے اور یہی حزب کی بقا کی ضمانت ہے۔ان جیسے نقصان دہ موقوں سے بچنے اور ان خطرات کو ٹالنے کی خاطر حزب کے لیے ضروری ہے کہ وہ امت کو اپنے مبدا سے سیراب کرنے کی کوشش جاری رکھے۔ اس کے لیے حزب کے افکار اور مفاہیم کی وضاحت اور اس فضا کو امت پر مسلط رکھنے

کی کوشش بھی برابر جاری رکھے ۔اس طرح حزب کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اس عرصے میں تربیت (ثقافت دینے) کی پوری کوشش کرے' لوگوں کی اجتماعی ثقافت کا زبردست اہتمام کرے' اس طرح استعماری منصوبوں کو بڑی باریک بینی سے بے نقاب کرے' امت اور اس کے مفادات کی ہمیشہ نگرانی کرے'امت کومکمل طور پر مبدا اورحزب کے سانچے میں ڈھالنے کی ہرممکن کوشش جاری رکھے اور اس کے ساتھ حزب کے افکار و مفاہیم کو ہمیشہ صاف و شفاف رکھنے کے لیے ان کی جانچ پڑتال کرتی رہے۔ اس کام کے لیے خواہ کتنی ہی محنت اور توجہ کی ضرورت ہو اس کے لیے مقدور بھر کوشش کرے۔

رہی بات طبقاتی خطرے کی تو یہ امت کے نہیں بلکہ حزب کے افراد کے اندر سرایت کرسکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب حزب کو امت کی اکثریت کی نمائندگی حاصل ہو جائے گی تو اس وقت اس کا ایک بڑا مرتبہ و مقام ہوگا ۔اس طرح امت اور خاص لوگوں کے اندرحزب کی بڑی قدر و منزلت ہوگی ۔اس چیز سے بعض دفعہ نفس میں غرور پیدا ہوتا ہے تو حزب کے افراد اس غلط فہمی کا شکار ہو سکتے ہیں کہ وہ امت سے بہتر ہیں اور ان کا کام قیادت ہے جبکہ امت کا کام یہ ہے کہ وہ حزب کی قیادت کے تحت چلے۔ اس وقت حزب کے افراد اپنے آپ کو امت کے افراد یا بعض افراد سے بہتر سمجھنے لگیں گے۔ ان افراد کو کسی شمار و قطار کے قابل نہیں سمجھیں گے ۔ جب اس طرز عمل کو دہرایا جائے گا تو امت سمجھنے لگے گی کہ حزب ان کے علاوہ کوئی اور طبقہ ہے اور حزب بھی اپنے آپ کو ایک اور طبقہ سمجھنے لگے گی۔ یہ احساس حزب کے زوال کی طرف پہلا قدم ہوگا کیونکہ اس سے حزب کا جمہور پر اور جمہور کا حزب پر اعتماد مجروح ہوگا یوں امت حزب سے منہ موڑ لے گی ۔ جب امت نے حزب سے منہ موڑ لیا تو حزب یقیناً ناکام ہو جائے گی' اس اعتماد کو دوبارہ بحال کرنے کے لیے کئی گنا زیادہ محنت کرنی پڑے گی ۔ یہی وجہ ہے کہ حزب کے افراد کو چاہیے کہ وہ یہ سمجھیں کہ وہ بھی امت کے

عام افراد ہیں اور امت کے خادم ہیں' ان کا کام امت کی خدمت کرنا ہے اس لیے نہ صرف جمہور کا ان پر دائمی اعتماد ہوگا بلکہ وہ زوال کے خطرے سے بھی محفوظ ہونگے اور یہ اس وقت ان کے لیے انتہائی مفید ہوگا جب وہ تیسرے مرحلے میں مبدا کو نافذ کرنے کے لیے حکومت حاصل کرینگے وہ حکمران ہو کر بھی امت کے خادم ہونگے اور مبدا کو نافذ کرنے کا ان کو بہترین موقعہ ملے گا۔

۱۸۔ تیسرا مرحلہ۔ حکومت تک پہنچنے کا مرحلہ ۔

حزب امت کے ذریعے حکومت تک پہنچے گی اور یکدم مبدا کو نافذ کرے گی۔ اس کو انقلابی طریقہ کہا جاتا ہے یہ انقلابی طریقہ کار حکومت میں جزوی شرکت کو قبول نہیں کرتا بلکہ مکمل حکومت لیتا ہے اور حکومت کو مقصد نہیں بناتا اس کو مبدا کو نافذ کرنے کا طریقہ قرار دیتا ہے۔ یوں اسلامی مبدا کو انقلابی طور پر نافذ کرتا ہے خواہ کیسے ہی حالات ہو تدریجی طریقے کو قبول نہیں کرتا۔

پس جب مبدا کو مکمل طور پر نافذ کیا جائے تب اسلامی دعوت کو پیش کرنا ریاست پر لازم ہے اور اس کام کی خاطر ریاستی بجٹ میں ایک خاص حصہ دعوت اور اس کے لیے رائے عامہ پیدا کرنے کے لیے مقرر کر دیا جائے اس طرح حالات کے مطابق ریاست کی طرف سے یا حزب کی طرف سے اس دعوت کی نگرانی کی جائے گی ۔ حکومت تک پہنچنے کے باوجود حزب ایک چلتی پھرتی حزب ہو گی اس کا ڈھانچہ برقرار رہے گا' خواہ اس کے اراکین حکومت کرسیوں میں ہوں یا نہ ہوں۔حزب کے مبدا کو ریاست میں نافذ کرنے' پھر پوری دنیا میں اس کو نافذ کرنے کے لیے حکومت پہلا قدم ہوگا۔

یہ وہ لائحہ عمل ہے جس پر کارزار حیات میں حزب چلے گی' تاکہ فکر کو عملی دور کی طرف منتقل کرے بالفاظ دیگر اسلامی زندگی کی واپسی کے ذریعے مبدا کو کارزار حیات کی طرف منتقل کرے تاکہ معاشرے میں نشاۃِ ثانیہ کا آغاز ہو سکے اور دعوت کو پوری دنیا

کے سامنے پیش کرے۔ یہاں سے حزب کا عملی دور شروع ہو گا یہی دور ہے جس کے لیے حزب کو بنایا گیا اس لیے حزب اسلامی ریاست کا قیام اس کی بقا اسلام کو بہترین انداز میں دائمی طور پر نافذ کرنے اور اسلامی دعوت کو دنیا کے سامنے پیش کرنیکی ضمانت ہے کیونکہ اسلامی ریاست کے قائم ہونے کے بعد حزب ہی اس کی نگرانی اس کا محاسبہ کرنے والی اور اس کے ساتھ بحث و مباحثہ میں امت کی قائد ہو گی' ساتھ ساتھ تمام اسلامی ممالک اور تمام دنیا میں اسلامی دعوت کو پیش کرے گی۔ (شکریہ)

∠∠